اترپردیش اردو اکادمی
उत्तर प्रदेश उर्दू अकादमी

خبرنامہ

ماہنامہ اُترپردیش اُردو اکادمی لکھنؤ

جنوری ۲۰۲۵ء

اترپردیش اردو اکادمی

خبـــرنامہ

جنوری ۲۰۲۵ء

جلد : ۵۳ شمارہ : ۷

ایڈیٹر : شوکت علی (سکریٹری)

معاون : ممتاز احمد (سپرنٹنڈنٹ)

زرسالانہ : پچاس روپے -/50

قیمت فی شمارہ : پانچ روپے -/5

upurduakademi3@gmail.com

www.upurduakademi.in

خط وکتابت وترسیل زرکا پتہ

سکریٹری، اترپردیش اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ

گومتی نگر، لکھنؤ-226010

فون نمبر 0522-4022924

شوکت علی، سکریٹری، ایڈیٹر، پرنٹر اور پبلشر نے امپریشن پرنٹ ہاؤس، لاٹوش روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر دفتر اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ سے شائع کیا۔

ترتیب

اداریہ	ایڈیٹر	۰۲
۲۰۲۴ء کے ادبی نشیب وفراز پر ایک نظر	پروفیسر اسلم جمشید پوری	۰۳
اردو شاعری میں حب الوطنی	ڈاکٹر زیبا ناز	۰۹
اردو صحافت اور تحریک آزادی	عبدالحافظ فاروقی علیگ	۱۳
غزل	ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی	۱۶
غزل	مرغوب اثر فاطمی	۱۶
مظفر حنفی کے افسانے	تمنا نسیم	۱۷
غزل	ایاز احمد راحم	۲۰
غزل	حافظ مسعود محمود آبادی	۲۰
کبیر داس اور اردو	ڈاکٹر عتیق انور صدیقی	۲۱
قطعات	مصداق اعظمی	۲۴
غزل	راشد حسین راہی	۲۵
غزل	شاہد ندیم	۲۵
نور بانو (افسانہ)	ناہید طاہر	۲۶
سندیلہ کے مشاہیر شعراء:	مبصر: اشرف فردوسی	۲۹
علمی وادبی خبریں	ادارہ	۳۱
قارئین کے خطوط		۳۲

اداریہ

قارئین خبرنامہ کو نیا سال ۲۰۲۵ء مبارک ہو۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ نیا سال سب کے لئے برکتوں، نعمتوں، رحمتوں، خوشیوں و مسرتوں کا سال ثابت ہو۔ ریاست اور ملک کی ترقی میں اضافہ ہو۔ ہم نیک انسان بنیں اور ہمارا ہر لمحہ وطن کو سنوارنے میں صرف ہو۔ سال ۲۰۲۴ء میں ہم نے کیا حاصل کیا اور کس درجہ کامیاب رہے اس کا بھی محاسبہ ضروری ہے۔ نئے سال کے دوران ملک میں امن وامان، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور بھائی چارہ کا ماحول سازگار رہے تاکہ ترقی کی منزلیں طے کرنے میں کامیابی وکامرانی حاصل ہو۔

ملک کے تمام باشندوں کے چہرے خوشیوں سے تابندہ ہو جائیں اور پورے ملک سے ناخواندگی، جہالت، توہم پرستی بالخصوص تعصب جیسی سماجی بیماریوں کا خاتمہ ہو سکے۔ ظاہر ہے تعصب وہ مہلک بیماری ہے جو ریاست اور قوم کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔

اس بار بھی ہم یوم جمہوریہ کی سالگرہ کی خوشی منا رہے ہیں۔ ۲۶ جنوری کو ہم سب مل کر یوم جمہوریہ کی تقریبات مناتے ہیں اور ہندوستانی جمہوریت کے مدبران ومعماروں کو یاد کرتے ہیں، جنھوں نے ایک مثالی آئین ودستور بنا کر جمہوری نظام کی برکتوں سے ہمیں مالا مال کیا۔ ہندوستانی جمہوریت ماہ وسال کی جتنی منزلیں طے کرتی جارہی ہے اتنی ہی پختہ اور مستحکم ہوتی جارہی ہے۔ ہمارے مدبر رہنماؤں نے ہمارے ملک کے لئے جمہوریت کا راستہ منتخب کر کے ایک تاریخ ساز ضرورت کی تکمیل کی کیونکہ یہ راستہ ہمارے ضمیر، ہمارے مزاج اور ہماری روایات سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ اگر ہم نے جمہوریت کا راستہ نہ اختیار کیا ہوتا تو اس وسیع وعریض ملک کو جو مختلف مذاہب، مختلف تہذیبوں اور زبانوں کا سنگم ہے، متحد رکھنا مشکل ہو جاتا۔ ہر باشندے کو اپنے مذہب، تہذیب اور زبان استعمال کرنے کا حق آئین ہند میں موجود ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ جمہوریت ہی ہے جس نے بلاتفریق مذہب وملت اور رنگ ونسل سب کو مساوی حقوق دیے ہیں اور ترقی کے بھی مساوی مواقع مہیا کئے ہیں۔ آزادی اور مساوات پر مبنی جمہوری معاشرے میں ہی انسان انسانی وقار محفوظ رہ سکتا ہے اور ہم اپنی بہترین خوبیوں کو اجاگر کر کے اچھے، نیک اور ذمہ دار شہری بن سکتے ہیں۔

آیئے ملک کی یکجہتی، مذہبی رواداری اور باہمی اتحاد کو مزید مستحکم بنانے کا عہد کریں اور اس کے بقا وتحفظ کے لیے سرگرم عمل رہیں۔

ادارہ ملک کی آزادی کے لئے اپنی جان قربان کرنے والے ان گنت شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے قارئین خبرنامہ کو یوم جمہوریہ کی مبارکباد پیش کرتا ہے۔

شوکت علی

ایڈیٹر

پروفیسر اسلم جمشید پوری

میرٹھ

۲۰۲۴ کے ادبی نشیب وفراز پر ایک نظر

سالِ نو ۲۰۲۵ کی آمد آمد ہے۔۲۰۲۴ رخصت ہورہا ہے۔اس سال جنوری تا دسمبر ادب کی صورتِ حال کیسی رہی۔ ہندوستان میں اردو کا کیا اور کیسا حال رہا۔کون کون سے نشیب وفراز ادب کو متاثر کرتے رہے ہیں۔کیسی کیسی کتب منظر عام پر آئیں،کون ہم سے ہمیشہ کیلئے وداع ہوگیا۔کس کس سیمینار، میلے، مذاکرے اور مشاعروں نے اپنے اثرات قائم کیے؟۲۰۲۴ کے ادب کا ایک جائزہ پیش خدمت ہے۔

۲۰۲۴ میں اردو زبان نے بہت سے نشیب وفراز دیکھے۔ بنگال سے لے کر بہار،اتر پردیش ،دہلی، ہریانہ اور پنجاب میں اردو کی صورتِ حال بہت اچھی نہیں رہی ۔اردو پڑھنے والے طالب علموں کی تعداد میں بتدریج کمی آئی ہے۔شمالی ہند میں اردو میڈیم اسکول کم ہوتے جارہے ہیں بلکہ کچھ ریاستوں میں ایسے اسکول اب ہیں ہی نہیں۔جموں وکشمیر میں بھی اردو کی حالت اچھی نہیں۔خاص کر جموں میں اسکول سے یونیورسٹی کی سطح تک اردو والوں کی تعداد میں کمی آرہی ہے۔غیر مسلم ناقد،تخلیق کار،محقق تو اب پورے ہندوستان میں خال خال ہی ملیں گے۔ہاں جنوبی ہند میں ابھی غنیمت ہے،ویسے وہاں بھی اب وہ پہلے والی بات نہیں ہے۔کئی بڑے اداروں کی حالت ٹھیک نہیں۔شمس الرحمٰن فاروقی ،گوپی چند نارنگ،شمیم حنفی ،ابوالکلام قاسمی کے بعد اردو تنقید وتحقیق میں کوئی بڑا نام سامنے نہیں آیا ہے،نہ ہی کسی نئے رجحان پر بحث ومباحثے کا آغاز ہوا ہے۔اس سال بھی پروفیسر قاضی افضال ،پروفیسر قدوس جاوید ،پروفیسر علی احمد فاطمی، پروفیسر صغیر افراہیم ،حقانی القاسمی ،ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی ،پروفیسر ہمایوں اشرف، ،پروفیسر خواجہ اکرام،پروفیسر شہپر رسول،پروفیسر کوثر مظہری، ،ڈاکٹر ابراہیم افسر،پروفیسر آمنہ تحسین وغیرہ ادب،خاص کر تحقیق وتنقید میں پر چھائے رہے۔نیا رجحان ''جدید ترقی پسندی'' آہستہ آہستہ اپنے پیر جمارہا ہے۔۲۰۲۴ میں شائع ہونے والی کتابوں کی بات کی جائے تو یقین مانئے بے شمار کتابیں شائع ہوئیں۔

کچھ کتابوں کے نام دیکھیں ۔تحقیق وتنقید:تنقیدی نظر اور نظریے(پروفیسر قدوس جاوید)احمد فراز کی شاعری کا تنقیدی مطالعہ: ''خوابِ گُل پریشاں ہے'' کے حوالے سے،معیار ومیزان (ڈاکٹر ابراہیم افسر)بیسویں صدی میں مٹیا برج (حشمت کمال پاشا)پنجاب کی اردو غزل کا نیا منظر نامہ(ڈاکٹر سلیم زبیری)غالب اور ترقی پسند تنقید(پروفیسر فاروق بخشی)غزال آنکھیں چراتے ہیں عظیم آباد والوں سے (فخر الدین عارفی)رسالہ نقوش کا ادبی سفر(ڈاکٹر ساجد علی قادری)نئی نظم نیا سفر(پروفیسر کوثر مظہری)پری خانہ(خالد علوی)ظ :ایک شخص تھا (ندیم صدیقی)میر تین صدی بعد(پروفیسر مشتاق احمد)شہسوارِ ادب (ارشد فلاحی)تنہا جزیرے

(مہرافروز) کوثر مظہری: اسرار وآثار (مشتاق صدف) منہاجِ ساحر لدھیانوی (پروفیسر مشتاق احمد) یادیں (عارف نقوی کی یادگار تصاویر کا البم) متین طارق کا جہانِ ادب (ڈاکٹر محمد مستمر) اردو ناول میں خاندانی زندگی (ڈاکٹر فخر الکریم) دھنورا: ایک تجزیاتی مطالعہ (ڈاکٹر ارشاد سیانوی) فکشن زاویے (عشرت ظہیر) سلطانہ کا خواب (آمنہ تحسین) ہم صورت گر کچھ خوابوں کے (جاوید اختر چودھری) غالب: کچھ تحقیق کچھ تنقید (ڈاکٹر شمس بدایونی) کتابیں جھانکتی ہیں (الیس معشوق احمد) 'اردو ناولٹ کا تحقیقی و تنقیدی تجزیہ' (ڈاکٹر سید وضاحت حسین رضوی) ''پیغام آفاقی کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ'' (ڈاکٹر محمد شارب) اردو فکشن: تنقیدات و تفہیمات، (ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی) جوش ملیح آبادی کی شاعری (پروفیسر نسرین بیگم) نور الحسنین کی فکشن نگاری (ذبیح اللہ ذبیح) معاصر اردو ناول میں بیانیے کا تنوع (ڈاکٹر نازیہ پروین) بصیر ونذیر (تنویر اختر رومانی) تنہا جزیرے (مہر افروز) معاصر اردو ناول: تفہیم و تعبیر (شہناز رحمن) آہنگِ نقد (محسن رضا رضوی) معروف شعرا کی نظم نگاری (سیما گوہر اور ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں) شمالی ہند کی بولیوں اور بھاشاؤں -- (ڈاکٹر تنویر علوی، تلاش و تدوین: ڈاکٹر ثمر جہاں)۔ یہ کتابیں ۲۰۲۴ میں تحقیق و تنقید کی نہ صرف فضا ہموار کرتی ہیں بلکہ تحقیق وتنقید کے تعلق سے نیا منظر نامہ بھی مرتب کرتی ہیں۔

شخصیات: مراد سعیدی: شخص اور شاعر (سید ساجد علی ٹونکی) فاروق بخشی: شخص اور عکس (ڈاکٹر ظفر گلزار) تنویر اختر رومانی: فرد اور فنکار (ڈاکٹر آفاق اختر) عتیق مظفر پوری (جاوید رحمانی) لفظ بولتے ہیں (ڈاکٹر کفایت حسین کیفی) کیفی اعظمی (پروفیسر صغیر افراہیم) خراج عقیدت: پروفیسر اطہر حسین صدیقی (پروفیسر صغیر افراہیم) جیسی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگ اپنی تخلیقات سے ادب کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

تخلیقی ادب: خاموش لمحوں کا سفر (نور جمشید پوری) ارتعاشِ اوراقِ گل (شہاب قاضی پوری) جمال رنگ (فہیم جوگا پوری)، دستِ بے نوا (رینو بہل) بیچ (انیس اشفاق) رانگ نمبر (نشاط پروین) جو اکثر یاد آتے ہیں (نگار عظیم) زندگی کا بازار (ریاض توحیدی) شطرنج کی بازی (رمانہ تبسم) کرشن نگری (بش احمد) شکوہ جوابِ شکوہ (اسلم جمشید پوری) یہ کہانی نہیں ہے (احمد صغیر) ''انتظار۔اب دریچوں سے نہیں جھانکتا'' (سیدہ ایمن شاہ)، روشنان (فریدہ تبسم) وقت خسارے (سلیم سرفراز)، تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو؟ (فیروز خان فیروز) آدمی مسافر ہے (فیض قاضی آبادی) چیونٹیوں کے درمیاں (اقبال نیازی) تماشا (محمد علیم اسماعیل) خراشیں (تقدیس نقوی) کلیات ساحر لدھیانوی (ساحر لدھیانوی) نفوسِ مطمئن (ڈاکٹر لاڈلے رہبر امروہوی) دیوانِ فراز (سلیمان فراز حسن پوری) صحرائے جنوں (ڈاکٹر احمد معراج) یہ کہانی نہیں ہے (احمد صغیر) پری چہرہ اور نورِ مجسم (اسلم عادل) نئے افسانے (علیم طاہر) نئے افسانچے (علیم طاہر) شرارِ گل (ہارون شاداں) زندگی میں پہلی بار (نیاز احمد آسی) یہ کتابیں تخلیقی ادب ہیں۔ ان میں شعری مجموعے، افسانوی مجموعے، افسانچوں کے مجموعے، ناول وغیرہ شامل ہیں۔ ان سے علم ہوتا ہے کہ اس سال بھی تخلیقی ادب کا سفر رواں دواں ہے۔

تراجم: سولومن کا گیت، دی بامبو مین (سید سرور حسین) ریگِ ایام (عثمان غنی اسکس) دلت کتھا (وقار قادری) موت کی سر گذشت، جہنم، خدا کے سرکش دوست، ملائک و شیاطین (یعقوب یاور) وغیرہ سے جہاں اردو ادب مالا مال ہوا ہے، وہیں اردو کے قاری کو دیگر زبانوں کے معیار اور صورتِ حال کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کچھ اصناف میں ایک ایک دو دو کتابیں ہی شائع ہوئی ہیں یا میری پہنچ اتنی ہی ہے۔ مثلاً خود نوشت سوانح سرِ بازار می رقصم

(پروفیسر محمد حسن) دوبارہ شائع ہوئی ہے۔سہیل نامہ (منظوم، سہیل کا کوروی) اسی طرح طنز و مزاح میں خندہ ء زیر لب (فیاض احمد فیضی) اور انٹرویوز کے ذیل میں ترسیلِ عکس (اظہر نیّر)، ایک موسم دل کے اندر (حقانی القاسمی) بات کر کے دیکھتے ہیں (ریشا قمر) شائع ہوئی ہے۔بچوں کا ادب کے ضمن میں عریش (قمر جمالی) آسمانی گڑیا (معصومہ الغروی) منظر عام پر آئی ہے۔

رسائل و جرائد: ایک شمارہ پاکستانی نظم نگاروں کے نام، پاکستان کے نثری نظم نگاروں کے نام (سہ ماہی، انتساب، سرونج) میر تقی میر نمبر (پٹنہ یونیورسٹی ،شعبہ اردو کا اردو جرنل) ڈاکٹر کہکشاں پروین نمبر (سہ ماہی، ادبی دنیا، رانچی) معاصر تنقید نمبر (سہ ماہی عالمی فلک ،دھنباد) اکیسویں صدی میں ناول : سمت اور رفتار (ماہنامہ پیش رفت ،دہلی) کلاسیکی ادب (نقشِ نو،الہ آباد) شمس الرحمٰن فاروقی نمبر (مژگاں،کولکاتہ) ان رسالوں سے اردو ادب کی سرگرمی کا اندازہ ہوتا ہے۔آج کل، ایوان اردو، زبان و ادب، ادب و ثقافت، سب رس، شگوفہ، اکادمی، خبرنامہ، رنگ، جہانِ اردو، ادبی نشیمن، اردو ادب، جامعہ، اردو، تہذیب الاخلاق، فکر و نظر، دانش، جدید فکر وفن، ارمغان، ہماری آواز، ہماری زبان، فکر و تحقیق، اردو دنیا، خواتین دنیا، ترویج، فروغ ادب، روح ادب، انشا، فکر و تحریر، اذکار، چشمہ ء اردو، قومی زبان، معارف، افسانہ نما، سیما، اردو چینل، دستک، ثالث، اثبات، عالمی جائزہ، اردو بک ریویو، استفسار، بیسویں صدی، حجاب، استعارہ و اسلوب، نئی قدریں، عالمی ادبستان نگینہ، اردو آنگن، ہمدرد، ترسیل، بازیافت، تحریک ادب، غالب نامہ وغیرہ اردو رسائل مسلسل شائع ہوتے رہے ہیں اور انہوں نے ادب کے مختلف گوشوں کو سامنے لانے کا کام کیا۔بچوں رسائل امنگ، بچوں کی دنیا، گل بوٹے، باغیچہ، روشن ستارے، جنت کے پھول، نے بچوں کی تربیت کرنے کا مشکل کام کیا ہے ۔نئے شروع ہونے والے رسائل میں ادبی دنیا (رانچی) اور چراغ نور (گلبر گہ) شامل ہیں۔جبکہ کئی رسائل اسباق (پونہ) نخلستان (جے پور) تمثیل نو (دربھنگہ، امام اعظم کے انتقال کے بعد ایک ہی شمارہ آیا ہے) دربھنگہ ٹائمز (دربھنگہ) کاروانِ ادب (بھوپال) زبان و بیان (جموں) کتاب نما (دہلی) تخلیق و تنقید (مئو) تاریخ ادب اردو (دہلی) بند ہو گئے ہیں یا ہوا چاہتے ہیں۔نیا دور (لکھنو) پنج آب (مالیر کوٹلہ) جمنا تٹ (چنڈی گڑھ) ادب سلسلہ (دہلی) عالمی اردو ادب (دہلی) اردو نامہ (ممبئی) اپنے آخری دور میں ہیں۔ان کے کبھی کبھار شمارے آجاتے ہیں۔

مکتبۂ اشاعت: مکتبہ جامعہ (دہلی)، ماڈرن پبلشنگ ہاؤس (دہلی) تخلیق کار پبلشرز (دہلی) کتاب والا (دہلی) بند ہو چکے ہیں جبکہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس (دہلی) عرشیہ پبلی کیشنز (دہلی) میٹرلنک پبلشرز (لکھنو اور دہلی) ایم آر پبلی کیشنز (دہلی) جے این کے پبلی کیشنز (سری نگر) قاسمی کتب خانہ (جموں) میزان پبلشرز (سری نگر) کریٹو اسٹار پبلی کیشنز (دہلی) فرید بک ڈپو (دہلی) مرکزی مکتبہ اسلامی (دہلی) مکتبہ الحسنات (دہلی) ریختہ فاؤنڈیشن (دہلی) ارم پبلیشنگ ہاؤس (پٹنہ) رجحان پبلی کیشنز (الہ آباد) اسیلہ آف سیٹ پریس (دہلی) پاشا پبلی کیشنز (کولکاتہ) سائبان پبلی کیشنز (دہلی) معصومہ اینڈ کمپنی (دہلی) براؤن بکس (علی گڑھ) کتاب دار (ممبئی) رچنا پبلی کیشنز (پونہ) اسباق پبلی کیشنز (پونہ) نیوز ٹاؤن پبلشرز (ممبئی) عثمانیہ بک ڈپو (کولکاتہ) نامک پبلیکیشنز (دہلی) گل بوٹے پبلیکیشنز (ممبئی) رحیمیہ بک ڈپو (مہاراشٹر) کتابی دنیا (دہلی) برار بروس (ملیر کوٹلہ) الفاظ پبلی کیشن (کامٹی) وغیرہ میں سے کئی بند ہونے والے ہیں۔کئی کے بزنس بہت اچھے، بعض کے اچھے اور زیادہ تر کتاب نہ فروخت ہونے کا رونا روتے رہتے ہیں۔اور خود کو خسارے میں بتاتے ہیں۔

وفیات : کچھ ادیب وشاعر اور اہم شخصیات ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے، جس سے بے شک ادب کا بڑا نقصان ہوا ہے۔ان کا تحریر کردہ ادب ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتا رہے گا۔اس دارِ فانی کو چھوڑنے والوں میں معروف شاعر منور رانا (لکھنو) شاعر وناقد سید احمد شمیم (جمشید پور) ترقی پسندی کا نمائندہ شاعر، افسانہ نگار، سفر نامہ نگار، ڈرامہ نگار، ہدایت کار، صحافی عارف نقوی (جرمنی) معروف افسانہ نگار ناقد ڈاکٹر کہکشاں پر وین(رانچی) نوجوان شاعر و ناقد ڈاکٹر راشد انور راشد(علی گڑھ) معروف افسانہ نگار پروفیسر لطیف احمد (بنگلہ دیش) معروف کشمیری افسانہ نگار عبدالغنی شیخ لداخی (لداخ) مشہور ناول نگار ابدال بیلا (کراچی) افسانہ نگار ناقد بلراج بخشی (جموں) شاعر جناب زاہد مسعود (لاہور) ہندوستان کی شان مشہور طبلہ نواز استاد ذاکر حسین (دہلی) ہندوستان کو نئے عہد میں لے جانے والے رتن ٹاٹا (ممبئی)اردو کے بڑے شیدائی اور شان عزیز قریشی (بھوپال) کا انتقال ہمارے لئے رنج وغم کا باعث ہے۔

پروگرام اور جشن : پورے سال ہندوستان کے گوشے گوشے میں مختلف پروگرام مشاعرے، سیمینار، جشن، ورکشاپ ، میلے، کتاب میلے، یومِ پیدائش، یوم تاسیس وغیرہ منانے کا رواج قائم رہا۔ایوان غالب ،دہلی نے سال بھر معیاری پروگرام منعقد کئے ۔غالب انعامات، سہ روزہ انٹرنیشنل رسرچ اسکالرز سیمینار، سہ روزہ انٹر نیشنل غالب سیمینار، نیشنل رتن ناتھ سرسیمینار، خطبات، چہار روزہ ڈراما فیسٹول ،عالمی مشاعرے ،ادیبوں کو استقبالیہ ، کتابوں پر مذاکرے ،ہندوستان کے دیگر شہروں میں غالب پر پروگرام ،غالب نامہ کی مسلسل اشاعت کے ساتھ غالب پر کتب شائع کرتا رہتا ہے۔دہلی اردو اکادمی میں جب سے پروفیسر شہپر رسول کی تقرری بحیثیت نائب چیرمین ہوئی ہے،ادبی پروگراموں کی جھڑی لگ گئی ہے۔کتابوں پر انعامات ،سہ روزہ ڈرامہ فیسٹول ،سہ روزہ جشن وراثت ِ اساتذہ کارنیوال جس میں اساتذہ کے تقریری، تحریری مقابلے، قوالی ،شام غزل، بیت بازی، طرحی مشاعرہ، مشاعرہ ءآزادی، مشاعرہ ء جمہوریہ ، مذاکرے ،خطبات نیشنل سیمینار بانگ درا کے سو سال منعقد کر کے اردو کے تئیں فعال ہونے کا ثبوت دی رہی ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو (NCPUL) اب سرگرم ہو گئی ہے۔کتاب میلہ اس کی شناخت بن گیا ہے۔اس بار یہ میلہ مالیگاؤں میں لگا ۔جہاں کتاب میلے کے علاوہ بیت بازی ،کتابوں کے اجرا ،مشاعرہ ،سیمینار ،مذاکرہ ،معروف ادبی شخصیات سے ملاقات، وغیرہ پروگرام منعقد ہوئے۔قومی کونسل اب خود مختلف علاقوں میں سیمیناروں کا انعقاد کر رہی ہے۔جے این یو میں قومی کونسل نے شعبہ ء اردو کے اشتراک سے ایک سہ روزہ نیشنل سیمینار بعنوان 'معاصر اردو ادب کا تحقیقی تنقیدی اور تخلیقی منظر نامہ' ۷، ۸ اور ۹ نومبر ۲۴ میں منعقد ہوا۔لکھنو، کشمیر ، جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بھی قومی کونسل کے پروگرام منعقد ہوئے۔ویسے اردو والوں کی شکایت ہے کہ قومی کونسل کی کئی اسکیموں کے بند ہونے سے اردو کو کافی نقصان پہنچ رہا ہے۔اتر پردیش اردو اکادمی، پنجاب اردو اکادمی، بہار اردو اکادمی، کی بے عملی بھی اردو والوں کی ناراضگی بڑھ رہی ہے ۔مغربی بنگال اردو اکادمی ،مدھیہ پردیش اردو اکادمی ،تلنگانہ اردو اکادمی ،کی سرگرمیاں جاری ہیں ۔مشاعرے، انعامات ،سیمینار ،اردو جشن ،مذاکرے ،اجرا، ڈرامہ فیسٹول وغیرہ منعقد ہو رہے ہیں۔اڈیشہ اردو اکادمی اور مہاراشٹر اردو اکادمی بھی حرکت میں ہیں۔

بنات کا یوم تاسیس اس بار مانو، حیدرآباد میں شعبہ تعلیم نسواں کے تعاون سے ۳۰ اور ۳۱ اکتوبر میں منعقد ہوا۔جس میں سیمینار، کتابوں کا اجرا، مشاعرہ ء شاعرات، ڈرامہ اور ثقافتی پروگرام منعقد ہوئے۔جشن اردو کے نام سے ممبئی یونیورسٹی میں ایک بڑا پروگرام، اردو چینل کے اشتراک سے منعقد ہوا۔جس میں مذاکرہ ،بیت بازی ،قوالی ،سیمینار، مشاعرہ ،ادبی شخصیات سے ملاقات ،اجرا وغیرہ پروگرام

ہوئے۔ ریختہ کا پروگرام اردو والوں میں نار اضگی میں اضافے کا سبب بن رہا ہے۔ جہاں یہ اردو کا ہندوستان کا سب سے بڑا میلہ بن چکا ہے۔اس میں ہزاروں لوگوں کی شرکت ہوتی ہے۔ دراصل اس میں اردو کو رومن رسم خط میں لکھنے کا رواج عام ہو رہا ہے۔ بینر، پوسٹر اور ہورڈنگس سے اردو غائب ہوتی جارہی ہے۔ یہ اردو کے نام پر بڑی تجارت کی طرف بڑھ رہا ہے۔

اردو کارواں ممبئی اور اورنگ آباد، سال بھر مختلف قسم کے پروگرام منعقد کراتا رہتا ہے۔اس کا مقصد اردو طالب علموں کی حوصلہ افزائی ہے۔سال گذشتہ اردو کارواں نے کئی پروگرام کیے۔اس بار اردو عشرے میں ۲۶ نومبر سے ۹ دسمبر تک مذاکرہ اور تمثیلی مقابلہ، بیت بازی، ادبی ریل مقابلہ، غزل گوئی مقابلہ، افسانچہ گوئی، تقریری مقابلہ، مونوا یکٹنگ، مشاعرہ اور تقسیم ایوارڈ پروگرام ہوئے۔ یوم اردو ۹ نومبر کو اردو ڈیولپمنٹ آرگنائزیشن، مظفر نگر نے ایک شاندار پروگرام منعقد کیا۔ یوم سرسید پر اے ایم یو، شعبہء اردو، چودھری چرن سنگھ یونی ورسٹی اور دیگر اداروں نے تزک واحتشام کے ساتھ منایا۔ یوم ابوالکلام آزاد کا شاندار انعقاد مانو، حیدرآباد میں ہوا۔ یوم پریم چند پر کئی اداروں نے پروگرام کیے۔ یوم اسماعیل میرٹھی پر اسماعیل کالج، میرٹھ میں پروگرام کا انعقاد ہوا۔ ساہتیہ اتسو کے نام سے ساہتیہ اکادمی کا بہت بڑا جشن منعقد ہوا، جس میں ملک کی ۲۲ زبانوں کے پروگرام ہوئے۔ کتاب میلوں کے انعقاد نے ایک ریکارڈ بنایا، ساہتیہ اکادمی کتاب میلہ، پریاگ راج پستک میلہ، پونہ بک فیسٹول، پٹنہ بک فیر، ریختہ کتاب میلہ، قومی کونسل کتاب میلہ وغیرہ۔ مشاعروں کی اس بار بھی دھوم رہی اور یہ خاصی تعداد میں منعقد ہوئے۔ ان میں نعتیہ مشاعرے، طرحی مشاعرے اور بین الاقوامی مشاعرے بھی شامل ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے بھی کئی سیمینار اور انتہائی بامقصد پروگرام منعقد کرائے۔ انجمن اور ساہتیہ اکادمی کے باہمی تعاون سے شعبۂ اردو، خواجہ بندہ نواز، یونیورسٹی، گلبرگہ میں 'اردو میں لوک ادب' سمپوزیم ۱۴ دسمبر کو ہوا۔ شعبۂ اردو و فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگی میں ایک توسیعی خطبے کا انعقاد ہوا۔ جس میں پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے بعنوان 'اردو ادب اور جدید ٹکنالوجی' دیا۔ اس کی صدارت پروفیسر عبدالرب استاد نے اور مہمانِ خصوصی چندر بھان خیال تھے۔ حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی میں گولڈن جبلی منائی جارہی ہے۔ شعبہ اردو بھی اس موقع پر لکچر سیریز کا انعقاد کر رہا ہے۔اب تک پروفیسر خالد جاوید، پروفیسر کوثر مظہری، پروفیسر جمال حسین، پروفیسر شہپر رسول و دیگر حضرات لکچر دے چکے ہیں۔ ''نوائے اردو'' حمیدیہ پی جی کالج برائے نسواں، الہ آباد کے ذریعہ ہر سال کی طرح، اس سال بھی ۱۱ نومبر سے ۱۶ نومبر تک منایا گیا۔ اس میں خطبات، مذاکرے، ثقافتی پروگرام، میگزین کا اجرا، تقریری و تحریری مقابلے، مشاعرہ وغیرہ منعقد ہوئے۔ ویسٹ بنگال اسٹیٹ یونیورسٹی کے شعبہء اردو کی طرف سے ۲۳ دسمبر کو محفل افسانہ زیر صدارت انیس النبی ہوئی، جس میں عذرا مناظ، سید انجم رومان، مبارک علی مبارک، جاوید نہال حشمی، محمد علی حسین شائق، مقصود حسن، قلبی اکرام، صوفیہ شیریں اور دائم انصاری نے افسانے پیش کیے۔

انعامات: کئی ادیب و شاعر کی خدمت میں انعامات پیش کیے گئے۔ ڈاکٹر صادقہ نواب سحر کو ان کے ناول ''راجدیو کی امرائی'' کیلئے ساہتیہ اکادمی ایوارڈ سے دہلی میں ساہتیہ اکادمی کے بڑے جلسے میں نوازا گیا۔ جاوید عنبر مصباحی کو اس سال کا ساہتیہ اکادمی یوا پرسکار اور ترجمہ ایوارڈ احسن ایوبی کو حاصل ہوا۔ پروفیسر شہپر رسول کو سارک ایوارڈ اور صوفی جمیل اختر ایوارڈ دیا گیا۔ الیاس اعظمی کو غالب انعام برائے تحقیق و تنقید اور پروفیسر عبدالرشید کو غالب انعام برائے اردو ادبی خدمات، نورالحسنین کو شمیم نکہت فکشن ایوارڈ، نگار عظیم کو راجستھان ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ''قمر رئیس ایوارڈ''، ندیم صدیقی کو قومی ایکتا ایوارڈ، پروفیسر ہمایوں اشرف اور پرویز شہریار کو ''ڈاکٹر منظر

کاظمی فکشن تنقیداورفکشن ایوارڈ''، انقلاب گروپ کوشعبۂ اردو، میرٹھ یونیورسٹی کی جانب سے سرسیدانٹرنیشنل ایوارڈاورخواجہ محمداکرام الدین کوسرسیدنیشنل ایوارڈ،اختر آزادکوشمول احمدایوارڈ،مستاق صدف کو علامہ اقبال انٹرنیشنل ایوارڈ پیش کئے گئے۔

سوشل میڈیا پر اردو: گزشتہ سال کئی اداروں کے آن لائن، مسلسل پروگرام ہوئے۔ایوسااورشعبہ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی کی مشترکہ پیش کش'ادب نما' کے تحت اردو کے کئی اہم پروگرام پورے سال ہوئے۔'آوارگی ودھ دانش' کے تحت جاوید دانش نے اردو کی اہم شخصیات سے گفتگو کی۔فیس بک اور یوٹیوب پر کہانیوں اورغزلوں کی اشاعت میں بہت سے گروپ شامل رہے۔ پاکستانی اردوسیلس کوموبائل پر یوٹیوب کے ذریعہ خوب دیکھا گیا۔ یوٹیوب پردنیائے افسانچہ نے بھی خوب واہ واہی لوٹی۔وہاٹس پرکئی گروپ کافی سرگرم رہے۔جہانِ افسانچہ،بزمِ افسانہ،گلشنِ افسانچہ گلشنِ مشکور، بزمِ نثّار،دیارِشوق،نئی دنیا فورم ،اردو پویٹ،جمشید پور،ای ٹی وی بھارت،محفلِ یارانِ اردو،عادل جمشیدپچ کی آواز،اردو ادب کا ستارہ،افسانچہ نامہ،اردو ہےجس کا نام،سخن تمام شعروسخن، سچی دوستی،نامی گروپ خاصے سرگرم ہیں۔کئی اخبار، رسالوں اور پبلیکیشنز نے بھی وہاٹس اورفیس بک پرگروپ بنائے۔روز نامہ الحیات گروپ،افسانہ نما،ماہنامہ صلاح کار،عرشیہ کتاب گھر،میٹر لنک پبلشرز،اردوبک رویو،عادل جمشیدپچ کی آواز،اردوچینل،گھومتا آئینہ،تحریک ِادب،جے این کے پبلکیشنز،سہ ماہی فیضانِ ادب،عالمی فلک ،مجلس ادارت فکروتحریر،لوحِ ادب،گل بوٹے، ادبستان جیسےگروپ بنے ہوئے ہیں۔

❖❖❖

Professor Aslam Jamshedpuri
HOD URDU
CCS University, Meerut, UP
Mob.8279907070

تخلیق کاروں سے گزارش

- ❖ ماہنامہ''خبرنامہ'' کے لئے معیاری نگارشات ہی ارسال کریں۔ ہر تخلیق پر غیر مطبوعہ کی تصدیق ہونا لازمی ہے۔ساتھ ہی مکمل ایڈریس،موبائل نمبر،پاسپورٹ سائز تصویر بھیجیں۔
- ❖ مضمون بہت طویل نہ ہو،زیادہ سے زیادہ دو ہزارالفاظ ہوں۔
- ❖ ای۔میل سے بھیجی ہوئی نگارشات کا پروف اچھی طرح پڑھ لیں،ان پیج فائل کے ساتھ پی ڈی ایف بھی بھیجیں۔
- ❖ تخلیقات کے ساتھ بینک اکاؤنٹ میں درج نام، بینک کا نام، شاخ کا نام، آئی۔ ایف۔ ایس۔سی نمبرانگریزی میں لکھ کر بھیجنا ضروری ہے، پاس بک کی فوٹو کاپی یا کینسل چیک بھی منسلک کرنے کی زحمت کریں۔

اترپردیش اردواکادمی
بچوں کے مزاج ومعیارکے لحاظ سے ماہنامہ
باغیچہ
پورے آب وتاب کے ساتھ شائع کررہی ہے۔اس کے فروغ اورتوسیع کے لئے آپ کاتعاون درکارہے۔
آپ اپنی تخلیقات بھیج کر،خودخریدار بن کراوردوسروں کوترغیب دے کراوربچوں میں اردورسائل پڑھنے کاذوق پیدا کرکے اردوکی خدمت کرسکتے ہیں

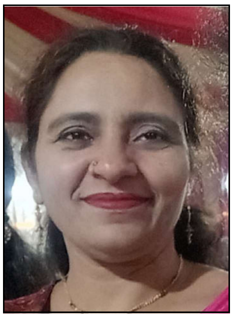

ڈاکٹر زیبا ناز

مراد آباد

اردو شاعری میں حب الوطنی

ہر باشندے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے وطن سے پیار کرے۔ پیار کے بہت سے انداز اور طریقے ہیں۔وطن سے محبت کی پہچان پیار سے ہی ظاہر ہوتی ہے۔خواہ کسی معنی میں ہومثلاً اہل وطن سے پیار، وطن کی مٹی سے پیار، وطن کی عزت وعظمت سے پیار، تہذیب وتمدن سے پیار، چرند و پرند، پہاڑ، دریا، سمندر، میدان، پیڑپودے غیرہ، وطن کی ہر چیز کو سینے سے لگانا، سجانا، سنوارنا، آبیاری کرنا، اس کی عزت وناموس کی حفاظت کرنا اور سب سے بڑھ کر یہاں رہنے والے انسانوں سے پیار کرنا۔

حب الوطنی ایسا سچا اور فطری جذبہ ہے جو ہر انسان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہے۔ جو قدرت کی جانب سے اسکو ودیعت کیا گیا ایک حسین تحفہ ہے۔وطن سے محبت ماں کی محبت کے برابر درجہ رکھتی ہے۔دنیا کی ہر زبان اور ہر ادب میں اس کی مثالیں موجود ہیں۔اردو زبان میں بھی اس کی بے شمار مثالیں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں۔اردو کے تقریباً ہر شاعر نے وطن سے محبت پر کچھ نہ کچھ اظہار خیال ضرور کیا ہے۔کوئی بھی حساس ذہن اس محبت سے کیونکر مستثنیٰ رہ سکتا ہے۔

اردو قومی یک جہتی کی علامت اور دلوں کو جوڑنے والی زبان ہے۔اس میں حب الوطنی کا پرتو، سورج میں روشنی اور سنگیت میں لے کی مانند ہے۔یہ ہندوستان کی وہ زبان ہے جس میں حب الوطنی، قومی ایکتا، بھائی چارہ،، انسان دوستی، خیر سگالی اور مذہبی رواداری کا عنصر اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ نظر آتا ہے۔یہ ہندوستان کی واحد ایسی زبان ہے جو علاقائیت سے پاک ملک کے کونے کونے میں رائج ہے۔اس نے ہمیشہ یہاں کی عظمت کے گیت گائے۔اس کے روم روم میں حب الوطنی اور قومی ایکتا کی خوشبو رچی بسی ہے، اس نے ہر فرقے، طبقے اور جماعت کے افراد کو ایک بندھن میں باندھنے کی کوشش کی اور سب کو ایک نظر سے دیکھا۔اردو زبان اور وطن کی محبت لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔اردو کے پرستاروں نے وطنِ عزیز کی پاسبانی کا حق بخوبی نبھایا۔ملک کی محبت کے اس پاک جذبہ کی آبیاری میں صرف اردو نظموں نے ہی نہیں بلکہ قومی ترانوں نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔اس ضمن میں چکبست لکھنوی کا ترانہ ''ہمارا وطن'' بہت اہمیت کا حامل ہے۔ملاحظہ ہو۔

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن
محبت کی آنکھوں کا تارا وطن

ہمارا وطن دل سے پیار وطن
اسی سے ہے اس زندگی کی بہار
وطن کی محبت ہو یا ماں کا پیار
ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

اس ترانہ میں شاعر اپنے وطن کو آنکھوں کا تارا، زندگی کی بہار اور ماں کے پیار کا وطن کہتا ہے۔ جس سے اس کی فطری محبت اور انسیت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبالؔ کا مشہور ''ترانۂ ہندی'' ہر دلعزیز اور وطن سے محبت کا بہترین نمونہ ہے، جو کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ اقبالؔ کا یہ ترانہ اتنا مقبول و معروف ہے کہ ہندوستان کا ہر باشندہ خواہ وہ کسی بھی علاقہ یا فرقہ سے تعلق رکھتا ہو نہ صرف واقفیت رکھتا ہے بلکہ پڑھتا اور پسند بھی کرتا ہے حتیٰ کہ جنھیں اردو نہیں آتی وہ بھی اس ترانے کے ایک دو شعر گنگناتے نظر آتے ہیں۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

اقبالؔ کے یہاں وطن سے محبت سب سے اعلیٰ درجہ پر نظر آتی ہے۔ مندر اور مسجد کے سلسلہ میں اختلاف کرنے والے دونوں ہی فرقوں کے مذہبی شدت پسندوں سے انھیں ہمیشہ سے ہی شکوہ رہا۔ وہ ایک سچے مسلمان تھے ان کے ہر شعر میں وعظ و پند کی خوشبو موجود ہے انھوں نے دونوں ہی مذاہب کا بغور مطالعہ کیا تھا، ان کے اجداد نومسلم تھے۔ اپنے آبا واجداد سے ورثہ میں ملے مذہب اور اپنی پہچان کو وہ اس طرح واضح کرتے ہیں۔

میں اصل کا سومناتی - آبا مرے لاتی ومناتی

ان کے اندر تعصب کا شائبہ بھی نہ تھا۔ ہندوستان کے باشندوں میں محبت کی لو لگانے اور وطن پرستی کے جذبہ کو برقرار رکھنے کے لیے محدود دائرے سے باہر آ کر وسیع النظری کا پیغام دیتے ہوئے وہ ہر ہندوستانی کو ایک ہی مالا میں پروتے ہوئے نیا شوالہ بنانے کی بات کرتے ہیں۔ خود ساختہ بتوں کے بجائے فطری طور پر حاصل وطن کی مٹی کے ذرہ ذرہ میں دیوتا دکھائی دیتا ہے۔ اگر ہر ہندوستانی وطن کی مٹی کے ذرہ ذرہ کو اپنا دیوتا تسلیم کر لے تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوئی کا یہ تصور ختم ہو جائے۔ نیا شوالہ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

سچ کہہ دوں اے برہمن گر تو برا نہ مانے
تیرے صنم کدے کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا
جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کا وعظ چھوڑا چھوڑے ترے فسانے
پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاک وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے

افسر میرٹھی کا نام بھی اس ضمن میں اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے چھوٹے بچوں کی نفسیات کو سمجھتے ہوئے مزاج سے ہم آہنگی رکھنے والے انداز اور مضامین کو اپنا کر خوب شہرت اور مقبولیت حاصل کی۔ ان کے یہاں بھی وطن کی محبت کا جذبہ پورے شباب پر نظر آتا ہے۔ بچوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنے کے لیے انھوں نے نہایت سہل، سلیس اور رواں انداز سے پیغام پہنچانے کی کوشش کی۔ ان کا والہانہ انداز اور فطری لہجہ بچوں کو بے ساختہ اپنی جانب کھینچ لیتا ہے۔ کچھ بچوں کو تو ان کی نظمیں زبانی یاد ہیں۔ ایک بند ملاحظہ ہو۔

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے
ہر رت ہر موسم اس کا کیسا پیارا پیارا ہے
کیسا سہانا کیسا سندر پیارا دیش ہمارا ہے

دکھ میں سکھ میں ہر حالت میں بھارت دل کا پیارا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے پیارا ہے

سیماب اکبرآبادی کا نام اردو شاعر کی حیثیت سے کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ وہ شعراء میں اہم مرتبہ رکھتے ہیں۔ دیگر اصناف پہ طبع آزمائی کرنے کے علاوہ انھوں نے وطن عزیز کی محبت میں جو نظمیں لکھی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملک ہندوستان پر سب کچھ قربان کردینا چاہتے ہیں۔ وہ اس لیے کہ ان کا وطن ہی ان کی عزت، دولت، عظمت اور جنت ہے۔ وہ پورے جوش وخروش کے ساتھ وطن کی ہر چیز کا معائنہ اور مشاہدہ کرتے ہیں اور محبتوں سے نوازتے ہیں۔ اسی شوق اور جذبہ کی وجہ سے ان کے اندر یہ جذبہ چشمہ کی مانند پھوٹ پڑتا ہے اور وہ بالکل فطری انداز سے اپنا پیغام پہنچانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

مثال ملاحظہ ہو ۔

میری عزت ہے یہ
میری دولت ہے یہ
میری عظمت ہے یہ
میری جنت ہے یہ
میرا پیارا وطن
اس کے چشمے جواں
اس میں نہریں رواں
جنگل اور وادیاں
اس سے اچھی کہاں
میرا پیارا وطن
(میرا پیارا وطن سیماب اکبرآبادی)

جوش ملیح آبادی کا نام بھی اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ وہ بھی اس پاکیزہ اور عظیم المرتبت محبت سے خود کو دور نہ رکھ سکے اور بہت کچھ کہنے پر مجبور ہوگئے۔ حالانکہ جوش کو اردو شاعری میں شاعر شباب اور شاعر انقلاب کے نام سے جانا جاتا ہے لیکن وہ پورے طمطراق کے ساتھ اس میدان میں بھی ایک شہسوار کی مانند نظر آتے ہیں اور وطن عزیز سے محبت کے جذبہ کو بے محابہ بیان کر جاتے ہیں۔ ایک نظم میں انھوں نے بچوں کی نفسیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے تخیل کے موتیوں کو اس طرح پرویا ہے کہ ان کی نظم ہر محبت کی آنکھ کا نور بن گئی۔ ملاحظہ ہو ۔

در در نے چھیڑی شہنائی
جنگل جنگل کوئل گائی
پربت پربت لالی چھائی
بکھرا مچلا نور کا دھاگا
جاگا ہندوستان ہمارا
سب سے سندر سب سے پیارا
اوڑھی جیون نے ہریالی
خوشبو جھولی ڈالی ڈالی
چمکا جھومر دمکا تارا
جاگا ہندوستان ہمارا
سب سے سندر سب سے پیارا

وطن سے محبت کا اظہار کرنے والے شعراء حضرات میں مظفر حنفی اور علی سردار جعفری جیسے بلند پایہ شاعر بھی ہیں۔ اگر چہ یہ نظریاتی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن پھر بھی اس متعلق اپنی رائے کا اظہار کرنے کے لئے خود کو مجبور پاتے ہیں۔ علی سردار جعفری کی شاعری ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے باوجود وطن کی کشش سے دور نہ رہ سکی۔ وطن کی فطری محبت نے ان کے دل کو بے چین کردیا۔ چنانچہ وہ بے ساختہ کہہ اٹھتے ہیں ۔

یہ ہندوستان رشک خلد بریں

اگلتی ہے سونا وطن کی زمیں
کہیں کوئلے اور لوہے کی کان
کہیں سرخ پتھر کی اونچی چٹان
ہماری گھٹائیں گہر بار ہیں
ہمارے بیاباں بھی گلزار ہیں
یہ گنگا کا آنچل یہ جمنا کی ریت
یہ دھان اور گیہوں کے سادہ سے کھیت

شعر فہمی رکھنے والے باذوق قارئین اس بات کو محسوس کریں گے کہ علی سردار جعفری نے ہندوستان کے نقشہ کی جو منظر کشی کی ہے وہ بے مثال ہے۔ ساتھ ہی ساتھ ترقی پسندانہ رموز بھی اس انداز میں پوشیدہ ہیں۔ علاوہ اس کے دور حاضر کے شعراء بھی قومی نظمیں کہنے والے اس قافلے کے راہ رو ہیں اور انوکھے انداز کی بہت سی نئی نئی نظمیں کہی جا رہی ہیں۔ اس ضمن میں مظفر حنفی کی بھی یاد آ جاتی ہے۔ ان کے یہاں بھی اس قسم کے بہت عمدہ نمونے موجود ہیں۔ وطن سے محبت کی ایک عمدہ مثال جو یہاں پیش کی جا رہی ہے ملاحظہ ہو۔

حقیقتاً بہشت سے کئی گنا حسین ہے
جواب اس کا روس ہے نہ مصر ہے نہ چین ہے
یہی ہمارا دھرم ہے یہی ہمارا دین ہے
کہ دو جہاں میں سر زمین ہند بہترین ہے
قدم قدم پہ اس کے بے شمار پاسبان ہیں
امیر ہیں غریب ہیں جوان ہیں کسان ہیں
ہزار ان میں فرق ہے مگر انھیں یقین ہے
کہ دو جہاں میں سر زمین ہندوستان ہے

پرستارانِ ہند کے شاعروں کی ایک طویل فہرست ہمیں اردو ادب میں نظر آتی ہے۔ ان میں حالی کی نظم حب الوطنی'' اور ''یاد وطن''، آرزو لکھنوی کی ''قومی گیت''، حامد اللہ افسر کی ''ہمارا وطن''، خلیل الرحمٰن اعظمی کی نظم ''قومی ترانہ''، شفیع الدین نیر کی ''جھنڈا اونچا رہے ہمارا'' جگن ناتھ آزاد کی ''اے کشورِ ہندوستان''، زبیر رضوی کی ''یہ ہے میرا ہندوستان''، مضطر کاکوری کی ''بچوں کا گیت''، محبوب راہی کی ''میرا بھارت''، گلزار دہلوی کی ''غمگسار قوم'' وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جنھیں وطن پرستی کی عمدہ مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ نوخیز ذہنوں میں وطن پرستی کی آگ بھڑکانے والی نظموں کی تو اور بھی بہت بڑی تعداد ہے۔ نظمیں ہی نہیں قومی ترانوں نے بھی ان جذبات کو ابھارنے میں بہت بڑا کردار ادا کیا اور وطن پر مر مٹنے والوں کو نقش دوام عطا کرنے میں کوتاہی سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے دل کے دریچوں کو کھول کر وسیع دامن میں جگہ دی اور ان کے نام کی شمعوں کو اس طرح روشن کیا کہ وہ رہتی دنیا تک اپنی جلوہ افروزی کا پیغام بھیجتے رہیں گے، یہ روشن شمعیں ایک روشن باب کی مانند ہمیشہ جگمگاتی رہیں گی اور ان جیالوں کو وقت کی گرد تلے دبنے سے بچالیں گی۔

وطن پرستوں کے دکھ، سکھ، ریتی رواج، شادی اور تیوہاروں مثلاً ہولی، دیوالی، عید، محرم، بسنت اور بہار وغیرہ کو سب آپس میں مل جل کر اس طرح مناتے ہیں کہ گویا سب ایک ہی خاندان کے افراد ہوں۔ نظیر اکبر آبادی کی نظمیں اس متعلق پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ مذہب و ملت اور سماجی قدروں کی پاسداری ہمیں اردو شاعری میں بھرپور توانائیوں کے ساتھ نظر آتی ہے اسی لیے اس زبان کو ہر فرقہ اور طبقہ کے لوگوں نے سینے سے لگایا اور دل میں جگہ دی۔

❖❖❖

Dr Zaiba Naaz
Assisstant Professor Urdu
Gokul Das Hindu Grls P.G. College
Muradabad, UP-244001
Mob. 9634191717

عبدالحافظ فاروقی علیگ

لکھنؤ

اردو صحافت اور تحریک آزادی

صحافت کیا ہے؟ اس ضمن میں ابتدائے صحافت سے ہی لوگوں کے مختلف نظریات ہیں۔ بعض نے صحافت کو اپنی نوعیت کا الگ عنوان بتایا ہے۔ کچھ اسے صنعت یا پیشے سے جوڑتے ہیں، تو کچھ لوگوں نے اسے ادب کا ہی ایک حصہ قرار دیا ہے۔ میتھو آرنلڈ نے ''صحافت کو جلدی میں لکھا گیا ادب'' (Journalism is literature but in hurry) بتایا ہے، لیکن صحافت میں کہیں کہیں ایسے مقام بھی آتے ہیں جہاں ادب اور صحافت ایک ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اپنے ہدف کے اعتبار سے تو صحافت ایک مستقل موضوع ہے اور بعض حلقوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ صحافت خبر ہے، اطلاع ہے، جانکاری ہے، ترسیل ہے۔ صحافت عوام کے لیے عوام کے بارے میں تخلیق کیا گیا مواد ہے۔

صحافت دن بھر کے واقعات کو تحریر میں نکھار کر، آواز میں سجا کر اور تصویر میں سمو کر انسان کی اس خواہش کی تشفی کرتی ہے جس کے تحت وہ ہر نئی بات جاننے کے لیے بے چین رہتا ہے۔

''صحافت'' عربی زبان کا لفظ ہے اور اسم ہے جو لفظ ''صحیفہ'' سے مشتق ہے جس کی جمع صحف ہے۔ قرآن کریم میں اس لفظ کا اطلاق وحی الٰہی کے ذریعہ نازل کی جانے والی کتاب کے معنی میں ہوا ہے لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی لفظ 'جرنلزم' کے لئے ہوتا ہے۔ جو اخبار نویسی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ اس کی وضاحت سید عبید السلام زینی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

> ''صحافت اور صحافی کے الفاظ یوں تو عربی زبان کے لفظ صحیفہ سے نکلے ہیں، لیکن ہمارے یہاں انگریزی کے جرنلزم (Journalism) اور جرنلسٹ (Journalist) کے ترجمہ کے طور پر ہی رائج ہیں۔ صحافت کی اصطلاح اگرچہ موقت الشیوع یعنی وقفوں سے شائع ہونے والے اخبار یا رسالے کے لئے استعمال ہوتی ہے، لیکن اب ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے بھی خبریں اور حالات حاضرہ پر تبصرے، انٹرویوز اور فیچر نشر ہوتے ہیں اور ان کی ترتیب و تزئین بھی صحافی ہی کرتے ہیں، اس لئے صحافت کی اصطلاح کا اطلاق اس کام پر بھی ہوتا ہے اور اسے ریڈیائی صحافت کہا جاتا ہے۔''

(اسلامی صحافت ص: ۲۷)

صحافت ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ انسان دنیا کے دور دراز علاقوں اور آہنی پردوں کے پیچھے سے نہ صرف اطلاعات حاصل کر سکتا ہے بلکہ وہاں اطلاعات پہونچا بھی سکتا ہے، ہزاروں میل دور بیٹھے ہوئے لوگوں کی رہنمائی بھی کر سکتا ہے اور خوف و ہراس پیدا کر کے ان کے حوصلوں کو پست اور عزائم کو کمزور کر کے ان کی صفوں میں دراریں بھی ڈال سکتا ہے، اتحاد و اتفاق بھی پیدا کر سکتا ہے اور باہمی اختلافات کو ہوا دے کر انہیں خانہ جنگی کی آگ میں بھی جھونک سکتا ہے۔ آج کی صحافت بدلتے ہوئے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے خبروں کی بنیاد پر مستقبل کی پیش گوئی بھی کرتی ہے اور سماجی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات وحالات پر اپنی رائے بھی قائم کرتی ہے۔ یہ سماجی زندگی کی تعمیری کوششوں کو متاثر کرتی ہے۔

صحافت معاشرہ کی بہتر تربیت اور اس کے مختلف اقدار کے تحفظ میں مدد دیتی ہے۔ یہ عوامی رجحانات کی رہنمائی کے ساتھ ساتھ اس کے حقوق کی حفاظت بھی کرتی ہے۔

صحافت کی وسعت اور دائرہ اثر لامحدود ہے۔ اسی مناسبت سے سب سے پہلے برطانوی پارلیمان لارڈ میکالے نے صحافت کو ملک کے چوتھے ستون کے امتیازی لقب سے موسوم کیا ہے۔

کسی بھی ملک میں پارلیمنٹ، انتظامیہ اور عدلیہ کا ہونا جمہوری نظام کا ضامن ہوتا ہے لیکن اب محسوس کیا گیا کہ ان تینوں کے ساتھ ساتھ صحافت کا رہنا بھی ضروری ہے۔ شاید اسی ضرورت کے پیش نظر امریکی قانون میں جو پہلی ترمیم کی گئی وہ پریس کی آزادی سے متعلق تھی۔ اس ترمیم میں لکھا گیا تھا کہ ''اخبارات کی آزادی پر پابندی لگانے کا اختیار امریکی کانگریس کو نہیں ہوگا۔''

اسی کے ساتھ صحافت کو یہ ذمہ داری بھی سونپی گئی ہے کہ وہ ایک مستعد پہریدار کی طرح سماج کے ہر طبقہ کی آواز حکمرانوں اور دیگر افراد تک غیر جانبدارانہ طریقے سے پہنچاتی رہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ ''کسی اعلیٰ مقصد کو نصب العین بنا کر صحافت کے میدان میں قدم جمائے رکھنا بہر حال لائق احترام ہے''۔ ایسی صحافت کی گواہی کے لئے جنگ آزادی کی تاریخ کافی ہے۔

تحریک آزادی میں ہر طبقہ ذی شعور نے حصہ لیا اور بہت سے افراد اور قوموں نے ہندوستان کی آزادی کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔ بعض لوگوں نے تلوار کے زور سے برطانوی سامراج کا مقابلہ کیا۔ کچھ نے شعر و شاعری کے ذریعہ اپنے تخیل آزادی کا جذباتی استعمال کیا لیکن ان سب سے بڑھ کر صحافت نے جو کردار ادا کیا وہ تاریخی اعتبار سے سب سے زیادہ نمایاں اور اہم رول کا حامل ہے۔ نثری ادب میں آزادی ہند کے تعلق سے اخبارات ورسائل کی جو خاموش محنت اور بے باک جدوجہد رہی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ انگریزوں کے جبر وتشدد کے مقابلہ میں اردو اخبارات ورسائل کے ذریعہ لوگوں میں آزادی کا جو خواب بیدار ہوا اور ان کے ولولہ انگیز مضامین کے ذریعہ عوام الناس میں انگریزوں کے خلاف جو جذبہ حریت پیدا ہوا اس نے قافلہ آزادی کو رخ دینے اور اس کو مہمیز کرنے کا کام کیا۔ یہاں تک کہ اردو اخبارات نے اپنے مضامین اور خبروں کے ذریعہ ہندوستانیوں کو یہ باور کرایا کہ غلامی کی زندگی کوئی زندگی نہیں ہوتی۔

۱۸۵۷ء کے بعد بھی اردو اخبارات ورسائل کسی نہ کسی درجہ میں آزادی کے لئے راہ ہموار کرتے رہے مگر جیسے ہی بیسویں صدی کا آغاز ہوا۔ اردو صحافت سر بکف ہو کر علی الاعلان آزادی کا پرچم بلند کرنے لگی۔ عظیم مجاہد آزادی مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ہفت روزہ الہلال کے ذریعہ جہاں دیگر شعبوں میں اہم

خدمات انجام دیں وہیں آزادی کو ترجیحی طور پر پیش نظر رکھا، دراصل مولانا آزاد سچے محبّ وطن تھے۔ان کی آزادطبیعت کے لئے یہ قطعاً گوارا نہ تھا کہ ہندوستان انگریزوں کا غلام بنا رہے، چنانچہ انھوں نے ۱۹۰۷ء ہی سے باشندگان ہند کو بیدار کرنے والے سیاسی مضامین لکھنے شروع کر دیئے تھے۔ الہلال میں تو انھوں نے آزادی کی راہ ہموار کرنے پر گویا سارا زور صرف کر دیا۔

انھوں نے مسلمانوں میں جذبہ حریت پیدا کرنے کے لئے مؤثر اور مدلل مضامین لکھے اور جد و جہد آزادی کو اسلامی فریضہ قرار دیا۔ ایک بیان میں انھوں نے کہا: میں نے آج سے ۱۲؍سال پہلے الہلال کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا تھا کہ آزادی کی راہ میں قربانی وجان فروشی ان کا قدیم اسلامی ورثہ ہے۔ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔(قول فیصل ۱۰۰االہلال،۸؍ستمبر ۱۹۲۱ء)

اس شمارے میں مولانا ابوالکلام نے آزادی کو اسلام کے آئینہ میں دیکھتے ہوئے لکھا: ''اسلام نے ہم کو آزادی بخشنے اور آزادی حاصل کرنے دونوں کی تعلیم دی ہے، ہم جب حاکم تھے تو ہم نے آزادی دی تھی اور اب ہم محکوم ہیں تو وہی چیز طلب کرتے ہیں۔آزادی کے لئے اتحاد ناگزیر تھا اس لئے مولانا نے الہلال کا ایک مقصد ہندو مسلم اتحاد متعین کیا۔مختلف مواقع پر انھوں نے خود اس کا ذکر کیا ہے۔۲۵؍اگست ۱۹۲۱ء کو مجلس خلافت آگرہ کے خطبہ صدارت میں مولانا نے کہا تھا: الہلال کے پہلے نمبر میں جس بڑے نمایاں مقصد کا اعلان کیا گیا تھا، میں فخر کے ساتھ اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ وہ ہندو اور مسلمانوں کا اتحاد تھا (خطبات آزاد)۔آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس میں دہلی میں خطاب کرتے ہوئے مولانا آزاد نے الہلال کے اس مقصد کو اس طرح بیان کیا:

''غالباً آپ میں سے وہ تمام حضرات جو گزشتہ ۲۱؍سال کے اندر مسلمانوں کے جماعتی تغیرات کا مطالعہ کر رہے ہیں اس سے واقف ہوں گے کہ ۱۹۱۱ء میں سب سے پہلی صدا میری صدا تھی جو اس طرز عمل کے خلاف بلند ہوئی۔ میں نے اپنے ہم مذہبوں کو اس طرف بلایا کہ وہ علیحدگی کی پالیسی پر قائم رہ کر اپنی ہستی کو ملک کے خلاف کر رہے ہیں، انہیں چاہئے کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں پر اعتماد کریں، کانگریس میں شریک ہوں، ملک کی آزادی کو اپنا نصب العین بنائیں اور فرقہ وارانہ تنظیم سے کنارہ کش ہو جائیں۔

(خطبات آزاد)

اب اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب کبھی ہندوستان کی آزادی کا تذکرہ ہوگا،اس وقت مولانا ابوالکلام کے پرچہ الہلال کا ضرور نام لیا جائے گا، کیونکہ مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا، جس اخبار کی ادارت سنبھالی اس نے معاشرہ اور ذی شعور طبقہ میں جان ڈال دی۔آزادی ہند کی جد و جہد ہو یا بے کس مظلوم کی فریاد، انھوں نے اپنی صحافت کے ذریعہ پورے عالم میں بالخصوص ہندوستان میں انقلاب برپا کر دیا۔ان کے مضامین کے ذریعہ بہت سے لوگ خواب غفلت سے بیدار ہوئے اور غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں نے آزادی ہند کی راہ میں ایک نمایاں اور کلیدی کردار ادا کیا۔

❖❖❖

Abdul Hafiz Farooqi Alig
230/7 Begam Gan Raja Bazar,
Chowk, Lucknow-226003
Mob. 8738010996
abdulhafizfarooqi@gmail.com

غزل

رنگ کلام مستیٔ شوق و شباب اور ہے
اہلِ شعور و ہوش کا طرزِ خطاب اور ہے

بات بنے تو کس طرح، جھگڑا مٹے تو کس طرح
اپنا سوال اور ہے، ان کا جواب اور ہے

وقت بہ وقت کتنے ہی دیکھے جو خواب اور تھے
دیکھا ہے اب کے خواب جو ہم نے وہ خواب اور ہے

کرتے رہے جو تم ستم، اس کی مثال ہی نہیں
اور بتاؤں حالِ دل؟ سننے کی تاب اور ہے؟

فائدہ یوں بھی کچھ نہیں ترک تعلقات کا
آنکھوں کی بات اور ہے، دل کا حساب اور ہے

ایک زمانہ تھا رئیس، بجتی تھیں نوبتیں وہاں
آج صدائے گنبدِ افراسیاب اور ہے

ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

Dr Rais Ahmad Nomani
Nonami Manzil, HN-4/704,J-24
Near Abuhurera Masjid, Hamdard
Nagar, B, Jamalpur, Aligarh-202002
MOb.9897820777

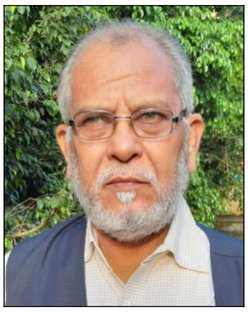

غزل

گماں کی زد میں بلا وجہ بے قرار ہُوا
مرے ہی ساتھ تماشا یہ بار بار ہُوا

پھر ایک بار نئی بات چھیڑ دی اُس نے
سو بے نقاب طبیعت کا انتشار ہُوا

ذرا سی دیر میں تبدیل ہوگئی فہرست
چہ خوب ! سہل محبت کا کاروبار ہُوا

کلید فہم چلی آئی دستِ حکمت میں
تو اک جہانِ دگر مجھ پہ آشکار ہُوا

پلک پہ بیٹھ گئے آ کے نیند کے جھونکے
کٹی تو رات مگر کیسا انتظار ہُوا

پڑی تھی گردِ تغافل طلب کے درپن پر
وہ مطمئن تھا اثر بھی نہ زیرِ بار ہُوا

مرغوب اثرؔ فاطمی

Marghoob Asar Fatmi
Rtd, Sr.Dy.S.P
Road NO.7, Aliganj
Gaya-8230001 (Bihar)
Mob. 9431448749
E-mail:marghubasarfatmi@gmail.com

تمنا نسیم

کولکاتہ

مظفر حنفی کے افسانے

پروفیسر مظفر حنفی بنیادی طور پر ایک شاعر کی حیثیت سے ادبی دنیا میں زیادہ متعارف ہیں اور لب و لہجہ اور جداگانہ رنگ و آہنگ کی بنیاد پر اپنے ہم عصر شعراء میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، لیکن شاعری کے علاوہ بھی کئی ادبی میدانوں میں مظفر حنفی کا قلم رواں دواں رہا ہے۔ انھوں نے جس صنف پر قلم اٹھایا اس میں اپنی انفرادیت کے نقوش اجاگر کیے۔ مظفر حنفی نے افسانہ نگاری کا آغاز 1950ء میں کیا اور پہلا افسانہ منت کی چادریں کے عنوان سے 1950ء میں لکھا لیکن حقیقت میں ان کا پہلا شائع شدہ افسانہ اونچی دوکان ہے۔ اس کے بعد شائع شدہ افسانوں میں 'دیواریں اونچی ہوگئیں، موت سایہ۔ سوار، مرنے دو' وغیرہ ہیں۔ اپنے ادبی سفر کے آغاز کے بارے میں مظفر حنفی فرماتے ہیں: ایک بار والد صاحب نے رات کو بارہ بجے طلسم ہوشربا پڑھتے دیکھ کر مجھے خاصا طول طویل لکچر پلایا کہ مجھے اپنی تعلیم کی طرف توجہ دینی چاہیے، تاکہ آگے چل کر اس لائق ہو جاؤں کہ دوسروں کی کتابیں پڑھنے کی جگہ دوسروں کے لئے کتابیں لکھ سکوں۔

اینٹ کا جواب مظفر حنفی کا پہلا افسانوی مجموعہ ہے اس میں ۱۲۱ افسانے شامل ہیں۔ دو غنڈے دوسرا افسانوی مجموعہ ہے اس کتاب میں ۲۱۱ افسانے شامل ہیں - دیداں حیراں مظفر حنفی کے تیسرے افسانوی مجموعے میں ان کے چوبیس منتخب افسانے شامل ہیں۔ مظفر حنفی کی ہر کہانی عام زندگی کی مکمل اور واضح تصویر ہے۔ ہر کہانی ان کے اندر سے ابھری ہے جس میں ان کا درد اور آس پاس کی بکھری ہوئی زندگی کی تلخ و شیریں حقیقتیں زبان حال سے بولتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں - خاص طور سے ایمان کی بات کا نذیر بابا اپنی شباہت، حماقت اور رکھ رکھاؤ کی وجہ سے قاری کے ذہن سے محو نہیں ہونے پاتا ہے اور قاری کو اپنے بچپن کی یاد دلاتا ہے۔ ہاں! یہ تھے نذیر بابا جو بچپن میں ہمارے لئے کسی ہوا سے کم نہ تھے - مجھے یاد ہے کہ اس وقت ہسوہ میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس کے بچوں کے دل پر نذیر بابا کی ہیبت کا سکہ نہ بیٹھا ہو- ہم لوگ گولیاں کھیل رہے ہوتے اور اچانک نذیر بابا کہیں سے الہ دین کے طلسماتی دیو کی طرح برآمد ہوتے، کیوں بچو! یہ کیا ہو رہا ہے؟ کہہ کر کچھ خوف ناک انداز میں دیکھتے کہ بچے سٹی پٹی بھول جاتے اور گولیاں وغیرہ چھوڑ چھاڑ کر اپنی جاں لے کر بھاگتے۔ مظفر حنفی کے بیشتر افسانے ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات کے تانے بانے سے بنے گئے ہیں۔ 'نقش فریادی' میں انہوں نے افسانہ نگار کی حیثیت سے حقیقت نگاری پر مبنی اپنے تخلیقی رجحان کو انتہائی وضاحت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ کہانی کا آغاز کچھ اس طرح ہوتا ہے:

''میں سوچتا ہوں کہانی کیسے لکھ سکوں گا - دراصل میں بیحد اداس ہوں، پریشانیوں نے مجھے بری طرح گھیرے رکھا ہے، مجھ پر بہت ذمہ داریاں ہیں، اس بھری دنیا میں اپنے آپ کو یکا وتنہا پاتا ہوں - کوئی مونس نہیں کوئی غم خوار نہیں غیرت مند اور حساس بھی بہت ہوں - ذرا سی بات کو گھنٹوں محسوس کرتا ہوں - مجھے روپیوں کی ضرورت ہے میری بیوی بیمار ہے۔ اس کے علاج کے لئے، میرے والدین ضعیف ہیں ان کی ضرورت کے لئے، واقعی مجھے روپیوں کی سخت ضرورت ہے۔''

واقعی مظفر حنفی کے سوچنے کا طریقہ منفرد ہے۔ وہ زندگی کو اس کی تمام اچھائیوں برائیوں کے ساتھ دیکھے ہیں اور ستم ظریفیوں کو بے نقاب کرنے کا جتن کرتے ہیں - براہِ راست یا بالواسطہ طور پر سماجی نا انصافی اور وقیانوس اقدار پر تیکھے انداز میں طنز کے جواز تلاش کر لیتے ہیں جو قاری کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ کہانی 'رات کا گاہک' صنعتی شہر کانپور کے مول گنج کی عالیشان عمارت کی تیسری منزل سے شروع ہوتی ہے۔

جسم فروش کملا ہر روز اپنی دوکان سجاتی ہے۔ طرح طرح کے گاہک آتے ہیں اور اس کے جسم کو روندتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔ مصنف نے یہ نقشہ اس طرح کھینچا ہے:

''وہ انسانیت اور تہذیب کا لبادہ اتار کر بالائے طاق رکھ کر کسی وحشی درندے کا روپ دھارن کر لیتے۔ اسے مسلتے، نوچتے اور وہ دل میں آہوں اور سسکیوں کا طوفان اور ہونٹوں پر تبسم نمایاں کئے یہ سب زیادتیاں برداشت کئے جاتی۔ ایک دن صبح لاؤڈ اسپیکر پر پر شور انداز میں اعلان کیا جاتا ہے کہ دیش کے مشہور لیڈر شوبھت چند جو خواتین کی فلاح و بہبود کیلئے ہمیشہ سرگرم رہتے ہیں، آج دس بجے دن میں تقریر کریں گے - کچھ دیر میں شوبھت مہاراج کی تقریر شروع ہوتی ہے - وہ عورتوں کی کسمپرسی اور پھر طوائفوں کی المناک زندگی کا بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ مجھے اپنے دیش کی ماؤں کی یہ تذلیل ہرگز گوارا نہیں۔ شوبھت مہاراج کی سواری ادھر سے گزری، گلاب کے بھاری گجرے لئے ہوئے وہ جھروکے میں آ گئی، لیکن پھر ان کے چہرے پر نظر پڑتے ہی اسے اپنے دل کی حرکت بند ہوتی محسوس ہوئی اور اندر ہی اندر یہ آواز ابھری - 'ہے بھگوان! یہ تو رات والا گاہک ہے'۔

اپنے افسانوں میں مظفر حنفی نے طنز کے نشتروں کا استعمال سماج کے رستے ہوئے ناسوروں پر نشتر چلانے کے لئے کیا ہے - ایسا سماج جو ضمیر فروش ہے۔ پست کردار اور نمائش پرست ہے۔ لیکن پر خلوص طنز معاشرے پر صحت مند اثر بھی مرتب کرتا ہے۔ ان کا طنز گہرا اور دیرپا ہوتا ہے۔

مظفر حنفی کا اور ایک افسانہ ہے 'گندی چادر'۔ افسانہ نگار نوب چند ایک ایسی جگہ پر رہتا ہے جہاں زیادہ ہلچل نہیں بلکہ سکون واطمینان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ آسانی سے اپنا افسانہ مکمل کر لیا کرتا تھا۔ وہ ایک طنزیہ افسانہ لکھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اچانک باہر سے کئی آوازیں اسے پریشان کرنے لگیں - گلی کے کچھ بچے ایک پاگل برہنہ عورت کو چڑھا رہے تھے - کوئی اسے پگلی کہتا کوئی اس کے بال پکڑتا کوئی کچھ کہتا۔ افسانہ نگار کھڑکی میں سے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ کچھ دنوں بعد جب وہ شیلانگ کی سڑکوں پر گھوم رہا تھا اچانک اسے وہی عورت دکھائی دی جو گندی سیاہ اور برہنہ حالت میں تھی۔ افسانہ نگار دیکھتا ہے کہ وہ عورت حاملہ ہے اور کسی بچے کو جنم دینے والی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ گھر

کی طرف بھاگا اور جلد ہی ایک بہترین افسانہ لکھ کر رسالے کو پوسٹ کر آیا۔لیکن جب وہ افسانہ پوسٹ کر کے واپس لوٹ رہا تھا تو اس نے دیکھا کہ فوٹ پاتھ پر وہیں اس عورت نے ایک بچے کو جنم دیا اور ایک بوڑھی بھکارن ایک چادر ڈال کر اس عورت کا جسم ڈھک رہی ہے۔ آخر میں ایک جملہ جو ہمارے دل کو بھی ہلا دیتا ہے وہ یہ ہے۔''تمہارا افسانہ اس پگلی کے کس کام آیا؟ تم نے تو اسے اور بھی ننگا کر دیا۔''

مظفر حنفی کے زیادہ تر افسانے ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات کا نتیجہ ہیں۔ان کی کہانیوں کے کردار، واقعات و موضوعات حقیقی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں جنہیں وہ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے کہانی کا جامہ پہنا دیتے ہیں۔وہ اپنے گرد ونواح میں پیش آنے والے حادثات و واقعات کو بہت ہی خوبصورت اور دل کش انداز میں کہانی کے پیرائے میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ اس کے کردار و واقعات حقیقی اور بولتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔مظفر حنفی کی کہانی ''اونچی دوکان'' میں نچلے طبقے پر ہونے والے ظلم و زیادتیوں کو پیش کیا گیا ہے۔انجم ایک رئیس گھرانے کی خاتون ہیں جو خریداری کے لئے بازار جاتی ہیں۔سب سے پہلے مسز انجم کار کا ہارن بجاتے ہوئے غریب بساطی کی دوکان پر جاتی ہیں اور چھ ساڑیاں خرید کر الگ رکھوا دیتی ہیں۔پھر آ کر کار میں بیٹھ جاتی ہیں اور رسالے کا ایک افسانہ پڑھنے لگتی ہیں۔اچانک ڈرائیور سے کہتی ہیں کہ مجھے اپنی بچی کے لئے چاکلیٹ لینی تھی وہ میں بھول گئی۔ایسا کرو اس بوڑھے سے انگور خرید لو۔بوڑھا من ہی من بہت خوش ہوتا ہے کہ آج تو اس کے سارے انگور بک جائیں گے۔ وہ پندرہ روپے کہتا ہے لیکن مسز انجم دس روپیے ہی دے کر جاتی ہیں۔لیکن کار میں بیٹھتے ہی مسز انجم ایک انگور اٹھا کر کھا جاتی ہیں جو میٹھا نہیں ہوتا اور اس کے ہاتھ سے دس کا نوٹ چھین کر انگور سڑک پر پھینک دیتی ہیں۔بوڑھا منھ تکتا رہ جاتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ غریب طبقے کو ہمیشہ نہ صرف پیسے والوں کی بلکہ ہر اس شخص کی زیادتیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں جو اعلیٰ طبقے کا ہو۔مظفر حنفی کو بات کرنے کا ہنر معلوم ہے۔ان کی ہر کہانی عام زندگی سے منسلک نظر آتی ہے اور اس کی مکمل تصویر پیش کرتی ہے۔ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

> بھکارن اپنے بچے کی لاش کو سینے سے چمٹائے بلک بلک کر رو رہی تھی۔ قدم منوں ہو گئے۔محسوس ہوا کوئی انجانی آواز میرے کانوں کے پاس مسلسل چیخ رہی ہے:
> ''بابو جی صرف چھ آنے، میرا لال مر جائے گا، مرنے دو!
> میں اسے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔''

مظفر حنفی کی باریک نگاہیں سماج کے ہر روشن اور تاریک گوشوں تک پہنچ جاتی ہیں۔مظفر حنفی کے افسانوں میں زندگی کے تضادات وقت کی چیرہ دستیاں، بلاؤں اور آفتوں کے ستم عموماً نچلے طبقے کی بے چارگی، بدحالی، بداخلاقی، مفلسی، بے انصافی کا ذکر ملتا ہے۔ان کے بیشتر افسانے حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں جو زندگی کے تلخ حقائق کو پیش کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

مظفر حنفی کے افسانوں کا جائزہ لیتے وقت زمانہ تصنیف اور اس عہد میں رائج اردو افسانہ کے میلان و معیار کو ملحوظ و مدنظر رکھنا ضروری ہے۔اس اعتبار سے مظفر حنفی آج کے دور کے لحاظ سے نہ سہی لیکن اپنے عہد کے اعتبار سے جدید افسانہ نگاروں کے زمرے میں ہی شمار کئے جائیں گے۔

❖❖❖

Tamanna Nasim W/O SK Rajib Ali
32/A/6, R.L.Ghosh Road Budge Budge
South 24Paraganas
Kolkata-700137(W.B)
Mob.8820414403

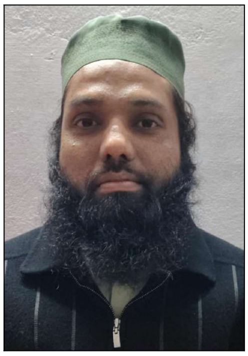

غزل

معمہ محبت کا حل کر نہ پایا
سکوں سے بسر ایک پل کر نہ پایا

محبت سے بنتی ہیں باتیں ہمیشہ
کوئی کچھ عداوت میں جل کر نہ پایا

کیا کام جو آج وہ ہوگیا بس
کبھی آج کا کام کل کر نہ پایا

خدا نے دیا ہے جو اپنے کرم سے
کسی کے بھی آگے مچل کر نہ پایا

بزرگوں نے مجھ کو نصیحت بہت کی
مگر ایک پر بھی عمل کر نہ پایا

ملا لطف جو بیقراری میں راحمؔ
میں وہ لطف ہرگز سنبھل کر نہ پایا

ایاز احمد راحم

Ayaz Ahmad Raahim
692, Hatiya Bahadurganj
Allahabad-211003
Mob- 8423300632

غزل

رنگ بھر دے ختم ہو ہم بے قراروں کی تلاش
موسم ہجراں میں ہے دل کو بہاروں کی تلاش

بحر غم میں دور تک ساحل نظر آتا نہیں
کشتی الفت کو میری ہے کناروں کی تلاش

گلستان زیست کی تازہ ہوائیں چھوڑ کر
کیوں بیابانوں میں کرتے ہو بہاروں کی تلاش

شعر گوئی کے لئے میں نے اٹھایا ہے قلم
اب مرے افکار کو ہے فن کے پاروں کی تلاش

اس دیار عیش و عشرت میں پئے تسکین دل
مجھ فقیرِ شہر کو ہے غم کے ماروں کی تلاش

نوعِ انساں کے جہاں کردار کی ہو تربیت
ہم کو بھی مسعودؔ ہے ایسے اداروں کی تلاش

حافظ مسعود محمودآبادی

Hafiz Masood Alam
Hatoura, Khairabad
Sitapur (U.P)
Pin-261131
Mob. 7379440730

ڈاکٹر عتیق انور صدیقی

لکھنؤ

کبیر داس اور اردو

ابتدائی دور کی اردو زبان وادب کو پروان چڑھانے میں امیر خسرو کے بعد دوسرا مرکزی نام کبیر کا ہے۔لغوی لحاظ سے کبیر کے معنی بھلے ہی بڑے اور عظیم کے ہوں لیکن پندرہویں صدی عیسوی کا یہ سادہ اور معمولی انسان جب دوہے کہتا تو اس میں خیال،فکر اور موضوعات کی اتنی گہرائی ہوتی جس نے یقیناً اس شاعر دلنواز کو اسم بامسمیٰ بنا دیا۔کبیر کے کلام میں عوامی زبان ہے، لہجے، آہنگ اور ترنم کی وہ سادگی ہے جو فوراً دلوں میں اتر جاتی۔خیال وہ ایسے سیدھے سادے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ صداقت بن کر وہ انسانی دلوں میں گھر کر لیتا ہے۔اس کی شاعری میں وہ صداقتیں ہیں جو وقت اور زمانے کے ساتھ بدلی نہیں بلکہ ان میں اور نکھار پیدا ہوتا چلا گیا۔کبیر ساری عمر شاعری کے ذریعہ اپنے جذبات کی تبلیغ کرتا رہا اور عشق ومحبت کی گرمی سے عوام میں نئے شعور کی روشنی پیدا کرتا رہا۔کبیر نے جب آنکھ بند کی تو اس کی شاعری کی آواز نہ صرف شمالی ہندوستان میں بلکہ پورے برصغیر میں جانی اور پہچانی جارہی تھی۔اس کی آواز پر لبیک کہنے والوں میں ہر فرقہ کے لوگ شامل تھے۔کبیر نے ہندو اور مسلم دونوں کو انسانیت،توحید، پریم اور شانتی کا راستہ دکھایا۔اس شاعر کی عظمت کی دلیل اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتی ہے کہ دونوں فرقوں نے اس کو اپنے مذہب کا پیغامبر ثابت کرنے کی پوری کوشش کر ڈالی۔مسلمانوں میں وہ مسلمان کہلایا اور ہندوؤں نے اسے ہندو کہا۔لیکن اس کے پاس تو آفاقی تصور تھا بھلا وہ کب مذہب کی روایتی بندشوں میں قید ہوتا۔کبیر کی پیدائش کی صحیح تاریخ کا ابھی تعین نہ ہوسکا ہے۔اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ بنارس میں پیدا ہوا اور وہیں قرب وجوار میں پرورش پائی۔یہی وجہ ہے کہ اس شاعر کی زبان پر پوربی اثرات نمایاں ہیں اور کھڑی بولی کی زبان میں شاعری کے نمونے ملتے ہیں۔

البتہ وفات کے بارے میں لوگوں نے بعض تاریخوں اور سال کا تعین کیا ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی نے ''تاریخ ادب اردو'' میں کبیر کی وفات کا سال ۱۵۱۸ء لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہ بنارس کا رہنے والا اور ذات کا جولاہا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ پڑھنا لکھنا نہ جاننے کی وجہ سے اس شاعر کا بیشتر کلام لوگوں کے ذہن میں محفوظ رہا جو سینہ بہ سینہ نسل در نسل منتقل ہوتا رہا اور بعد میں اس کی تحریری شکل میں تدوین ہوئی۔حافظ محمود شیرانی نے اپنی کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کبیر کی تاریخ وفات آرکیولوجیکل سروے

آف انڈیا کی ایک رپورٹ کے حوالے سے ۱۴۵۰ء کے آس پاس بتلائی ہے۔ جہاں اس پوربی شاعر کی قبرلودھی حکومت میں بجلی خان نے مگہر، ضلع بستی میں تیار کروائی جس پر تاریخ وفات ۱۴۵۰ء کندہ ہے۔ وہیں پر مزار سے متصل ہندوؤں نے کبیر کی ایک سمادھی بھی بنا رکھی ہے جس کو مسلمان اور ہندو دونوں ہی دیکھتے رہتے ہیں۔ ایک طبقہ اس کو شاہ کبیر اور دوسرا کبیر داس، کے نام سے پکارتا ہے اور دونوں ہی مذاہب کے لوگ اسے اپنے فرقہ کا ثابت کرنے کی دلیلیں پیش کرتے ہیں۔ کبیر دراصل مذہبی حد بندیوں سے بلند شاعر تھا۔ اس کی شاعری کا بنیادی عنصر بھگتی تحریک ہے جو آگے چل کر تصوف کے بنیادی اصولوں سے ہم آہنگ ہوجاتی ہے جہاں عبادت کو مذہب کا نام دینے کے بجائے عمل کی صداقت پر زور دیا جاتا ہے۔ بھگتی تحریک کے بارے میں مختصراً اتنا بتادینا ضروری ہے کہ تقریباً گیارہویں صدی عیسوی میں رامانج اور ان کے ساتھیوں نے بھگتی تحریک کو باقاعدہ فلسفہ کی بنیاد پر قائم کیا اور جلد ہی پورے شمالی ہند میں یہ تحریک تیزی کے ساتھ عوام میں اپنا اثر جمانے لگی بلکہ اس سے بھی پہلے اس تحریک کے بانی شنکر اچاریہ تھے۔ پھر تیرہویں صدی کے شروع میں مسلمانوں کی سلطنت دہلی میں باقاعدگی کے ساتھ جب عروج پر تھی تو بہت سے صوفیوں اور بزرگوں نے بھی کم و بیش وہی آواز اٹھائی جو بھگتی تحریک کی تھی۔ اس طرح اس کے لئے اور بھی سازگار ماحول پیدا ہوگیا۔ بھگتی تحریک کی چار بنیادی قسمیں بتائی گئی ہیں۔ پہلے گن واد جو خدایا بھگوان کو مادی شکل سے ماورا سمجھتے ہیں۔ دوسرے 'پریم مارگی' جو وحدت الوجود کے ماننے والے ہیں۔ تیسرے رام بھگتی والے، جو رام چندر جی کو انسان کامل مانتے ہیں اور چوتھے کرشن بھگتی والے جو شری کرشن جی کو تمام دیوتاؤں میں افضل سمجھتے ہیں۔ لیکن ان سب کے یہاں بنیادی قدریں پریم اور بھگتی ہی ہیں۔

اس تحریک کے ذریعہ ایک طرف تو اعلیٰ اور ادنیٰ کا فرق مٹنے لگا اور ساتھ ہی ہندوؤں اور مسلمانوں میں ہم آہنگی کی ایک عام فضا پیدا ہونے لگی۔ کبیر کی شاعری میں بھی بھگتی تحریک ہی کی بنیادی آواز سنائی دیتی ہے جس میں نرگن واد یعنی بھگوان یا خدا تمام تر مادی شکلوں سے بلند تر ہے۔ ڈاکٹر شارب ردولوی نے بھگتی تحریک کی خصوصیات سے متعلق لکھا ہے:

> ''بھگتی تحریک کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس نے خدا کو محبوب کی شکل میں پیش کیا جس سے محبت کی جاسکتی تھی اور اپنی تکلیفوں و مصیبتوں کا ذکر کیا جاسکتا تھا۔ رامانج، آچاریہ اور ان کے پیروؤں نے خدا اور اس کے اوتاروں کو اس صورت میں نہیں پہنچوایا جو مذہبی کتابوں میں ملتی ہے۔ بھگتی تحریک نے بتایا کہ خدا سے وصال صرف پریم اور بھگتی سے حاصل ہوسکتا ہے۔''

کبیر نے بھی اپنے کلام کے ذریعہ انسان کو یہی پیغام دیا کہ خدا دراصل انسان سے دور نہیں بلکہ فاصلہ کے بجائے خود انھیں میں شامل ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور ان کی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ خدا کو ماننے کے لئے زبان سے اقرار کرنا یا مذہبی رسومات اور عبادتوں کی ادائیگی ضروری نہیں بلکہ عقیدت، پریم، سادگی اور عشق ہی دراصل حقیقی عبادت ہے۔ خدا کی کوئی شکل نہیں مگر وہ ہر جگہ موجود ہے اور انسان کا دل دراصل خدا کا گھر ہے۔ کبیر دنیا کو مایا جال کہتے ہیں اور زندگی کی بے ثباتی اس کی شاعری کا اہم موضوع ہے۔ کبیر پر اردو سے زیادہ ہندی میں کام ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو ادیب و شاعر تک اس شاعر کا جو کلام پہونچا ہے اس کا بنیادی ماخذ زیادہ تر ہندی حوالوں سے دستیاب کتابیں ہیں جن میں وقتاً فوقتاً لفظوں کی ترمیم ہوتی رہی ہوگی۔ پھر بھی اس

کے کلام کے دو مجموعے 'بیجک' اور 'بانی' میں جو دوہے نقل ہیں ان میں سے کچھ کی روشنی میں کبیر کی شاعری کے ذریعہ اس دور کی اردو کی صورت حال کا اندازہ ہوسکتا ہے:

صاحب میرا ایک ہے، دو جا کہا نہ جائے
دو جا صاحب جو کہوں صاحب کھرا رسائے
رام ست نام کڑوا لگے، میٹھا، میٹھا لاگے رام
دبدھا میں دونوں آگئے، مایا ملی نہ رام
ماٹی کہے کمہار سے، تو کیا روندے مونھ
اک دن ایسا آئے گا میں روندو گی توہ
کل کرے سو آج کر، آج کرے سو اب
پل میں پرلے ہوئے گی، پھیر کرے گا کب

مذکورہ بالا متفرق دوہے الگ الگ موضوعات اور خیالات پر مبنی ہیں جن کی زبان سادہ، لہجہ عام فہم اور ترکیب خالص ہندوستانی ہے جس پر فارسی زبان وادب کا اثر لگ بھگ نہیں ہے۔ جس طرح امیر خسرو کی شاعری میں تصوف مرکزی خیال کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح کبیر کے کلام میں بھگتی تحریک نمایاں ہے۔ دونوں ہی کی زبان تقریباً ایک جیسی ہے اور دونوں ہی کے یہاں عشق حقیقی کی طرف جھکاؤ اور دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے۔ البتہ کبیر کے یہاں خطاب کا عنصر، امیر خسرو کے مقابلہ میں قدرے زیادہ ہے۔ کبیر اپنی شاعری کے ذریعہ درس دیتے ہیں، متوجہ کرتے ہیں عوام کو اس دنیا کی بے ثباتی کی طرف، جبکہ امیر خسرو کی شاعری میں ترنم بھی ہے اور عشق بھی ہے اور ایک ایسا جذبہ محبت ہے جو انسان کو ڈراتا نہیں ہے بلکہ پیار بھرے لہجہ میں تلقین کرتا ہے۔ کبیر کے یہاں خطاب زیادہ ہے اور کہیں کہیں قنوطیت کلام پر حاوی ہو جاتی ہے۔ زبان وادب کے نقطہ نظر سے کبیر کی شاعری بھی وہی ہے جو اس صدی کی زبان تھی جو شمالی ہندوستان میں بھی بولی جاتی تھی، جو مذہب کا فرق کئے بغیر عوام کی زبان تھی جس کو اس وقت نہ جانے اصطلاح میں کس نام سے پکارا جاتا ہوگا لیکن اردو کے بتدریج ارتقاء کے جائزے سے کبیر کی زبان کو بھی اردو کے علاوہ اور کوئی مناسب نام نہیں دیا جا سکتا۔

کبیر فارسی نہیں جانتے تھے، ان کی معلومات صرف لوگوں سے سنی سنائی باتوں تک محدود تھیں۔ اس کے باوجود کبیر کے بعض دوہے فارسی کے عظیم شاعروں کے کلام کے موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں۔ فردوسی نے اپنے ایک شعر میں دنیا کو سرائے کہا ہے جہاں چین سے سونا نصیب کہاں ہوتا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ کسی لمحہ بھی بلاوا آ سکتا ہے۔ اب اس خیال کو کبیر کے اس دوہے میں بہت زیادہ خیال کی مطابقت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

کبیر سر پر سرائے ہے کیا سوئے سکھ چین
سوانس نگارا کوچ کا باجت ہے دن رین

اسی طرح ابوالفرج اصفہانی کے ایک شعر کے موضوع کو کس قدر خوبی کے ساتھ کبیر نے اردو میں نظم کیا ہے:

راجا دکھیا، پرجا دکھیا، جوگی کو دکھ دو ناری
کہے کبیر سنو بھائی سادھو، کوئی مندر نہیں سوناری

اسی طرح کے کئی دوہے کبیر کے ایسے ہیں جو بہت حد تک ایرانی شاعروں کے کلام کا گویا آزاد اردو ترجمہ ہیں۔ ان باتوں کی روشنی میں یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ کبیر اپنے دور کے فارسی داں عالموں کی صحبت میں بیٹھتے ہوں گے اور ان سے فارسی شاعری و ادب کے بارے میں معلومات حاصل کرتے ہوں گے اور پھر انھیں باتوں کو وہ اپنے اسلوب اور ٹیکنک میں دوہے کی شکل میں پیش کر دیتے ہوں گے۔ یہ محض ایک قیاس ہے اس

کے برخلاف یہ بھی ممکن ہے کہ خود کبیر کے ذہن میں بھی وہی محرکات اُٹھے ہوں جن کی روشنی میں انھوں نے محض اتفاق سے فارسی شعراء کے خیال سے ملتا جلتا موضوع پیش کر دیا۔ لیکن یہ بات طے ہے کہ کبیر کے دوہے اس دور کا وہ اعلیٰ سرمایہ ہیں جن سے نہ صرف اردو زبان وادب کی ابتدائی اور ترقی پذیر شکل کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ساتھ ہی تصوف اور بھگتی تحریک کی تبلیغ کا بہترین اظہار بھی۔ ایک بار پھر کبیر کی شاعری کے ذریعہ زبان کے مسئلہ پر یہ کہنا پڑے گا کہ اردو زبان کا سلسلہ بھی وہی بولی ہے جو امیر خسرو کی شاعری اور نثر کی زبان ہے اور کبیر کے دوہے اور شاعری میں استعمال ہونے والا لہجہ وہی ہے جس کو ہندوی، ہندی، کھڑی بولی یا چاہے جس نام سے پکارا جائے وہی ترقی کرتے کرتے اردو کہلائی۔ محمود شیرانی نے کبیر کی زبان کے بارے میں لکھا ہے:

> ''کبیر کی زبان اردو سے بہت ملتی جلتی ہے۔ دس فیصدی سے زیادہ اس کے یہاں فارسی الفاظ ہیں بلکہ ایسے فارسی محاورے جو اردو کے ذریعہ سے عوام میں رائج تھے اس کے ہاں موجود ہیں۔ مثلاً ''نوبت زدن'' فارسی محاورہ ہے۔ کبیر نے اس کا ترجمہ نوبت بجانا کرلیا۔''

کبیر کو صرف بنارس کا پوربی بولی کا شاعر کہنا ناانصافی ہوگی۔ اس کی زبان اس وقت بولی جانے والی دہلی اور پورے شمالی ہندوستان کی زبان تھی جو عوام بولتے تھے۔ اس لئے اس کا کلام اردو کے اس قدر قریب ہے کہ آج بھی اس کا سمجھنا مشکل نہیں۔

❖❖❖

Dr. Ateeq Anwar Siddiqi
529/897A, Panchvati Colony
Rahim Nagar, Lucknow-226006
Mob.9918955598

قطعات

یا بلندی سے اتر آیئے فوراً نیچے
یا تو قد چھو کے مرا کچھ مرے بھائی کہیئے
آنکھ پھوڑیں کہ تعصب کی یہ عینک توڑیں
کوہ کو آپ مگر یوں تو نہ رائی کہیئے

❖

سی پہنچے ہوئے درویش کے کانوں میں چپکے سے
ہم اپنی آخری خواہش کو سمجھاتے تو اچھا تھا
جنھیں رشتوں سے بڑھ کر مال و دولت سے محبت ہے
انہیں رشتوں کے ہم بندھن جو بن جاتے تو اچھا تھا

❖

خموش ہیں گل و بلبل کے نغمۂ پر کیف
یوں رنگ و بو کی علامت پہ بار گزری ہے
کسی کے ہجر میں پھر دیکھ جانبِ صحرا
خزاں پہن کے چمن سے بہار گزری ہے

مصداق اعظمی

Misdaq Azmi
Vill. Joma, P.O Mijwa
Phoolpur, Azamgarh
UP-276304
Mob-9451431700
misdaq444@gmail.com

غزل

محبت مجھ سے تم کرنا نہ کرنا
خدا کے واسطے پردا نہ کرنا

ہمارا راز عشق افشا نہ کرنا
قسم ہے تم کو تم ایسا نہ کرنا

جو یہ چاہو کہ دنیا یاد رکھے
کبھی ایمان کا سودا نہ کرنا

بنانا ہے تمہیں پہچان اپنی
کوئی بھی کام تم اوچھا نہ کرنا

تمہارا ہوں تمہارا ہی رہوں گا
تم اپنا دل کبھی چھوٹا نہ کرنا

وہ تم سے دور جا سکتا ہے راہیؔ
اُسے ہر بات پر ٹوکا نہ کرنا

راشد حسین راہی

Rashid Husain Rahi
Aiman Zaee, Jalal Nagar,
Shahjahanpur-242001
Mob. 7007091001

غزل

یوں اپنا احتساب بھی کرنا پڑا مجھے
شہر انا میں جی کے بھی مرنا پڑا مجھے

ڈوبے نہ کوئی سچ کا سفینہ بس اس لئے
گہرے سمندروں میں اترنا پڑا مجھے

جن راستوں سے میرا کوئی واسطہ نہ تھا
اُن راستوں سے ہو کے گزرنا پڑا مجھے

تھی اتنی دلفریب یہ چاہت کی کائنات
جس کی ہر اک ادا پہ سنورنا پڑا مجھے

گھر کی کفالتوں کے سبب مجھ کو بارہا
آتا نہ تھا جو کام وہ کرنا پڑا مجھے

محفوظ کرکے سچ کی فضیلت مرے ندیمؔ
خود اپنی ذات ہی میں بکھرنا پڑا مجھے

شاھد ندیم

Shahid Nadeem
10/23, Choon Pazan
NAI KI MANDI,
AGRA-282010 (U.P.)
Mob.9760929444

ناہید طاہر

سعودی عرب

نور بانو

دنیا کا خوبصورت اور ترقی یافتہ ملک، جہاں لوگوں کے دلوں میں مقدس قرآن اور بول چال میں زبانِ محمدیؐ پائی جاتی ہے، یہاں ہر ذرے میں اخلاقیات ہیں اور حرمین شریفین کی شکل میں ہمارے روحانی مراکز موجود ہیں۔ یہاں صحابہ کرامؓ کے شب و روز گزرے اور دینِ اسلام کے لیے قربانیاں دی گئیں۔ دنیا میں دین پھیلتا رہا، پھر یہاں آکر ختم ہوگا اور قیامت قائم ہوگی۔

جی ہاں، بات اس ملک کی ہے جہاں میں ایک عرصے سے رہ رہی ہوں۔

سعودی عرب.....!!

جب پہلی بار یہاں آئی تو ایک اجنبی احساس بے چین کر رہا تھا، اور وجود پر عجب سی بے کلی چھائی رہتی تھی۔ تنہائی، اپنوں سے دوری، اور اپنوں کی جدائی کا غم طبیعت کو مکدر کر رہا تھا۔ حقیقت میں، جب انسان اپنوں سے دور ہو تو خود کو بہت تنہا اور بے کس محسوس کرتا ہے۔ مجھ غریب پر یہی کیفیات طاری تھیں۔ ہر چہرے پر اپنوں کا چہرہ تلاش کرتی ہوئی تھک جاتی تھی، مگر افسوس، کوئی اپنا نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ سال ان ہی احساسات اور کشمکش کی نذر ہوئے۔ اپنوں سے دوری سہتا ہوا دل ماحول کا عادی ہونے لگا اور دھیرے دھیرے اجنبیت کی چادر سرکتی چلی گئی۔ پہچان کے خوبصورت دریچے وا ہونے لگے اور سعودی عرب دنیا کا سب سے خوبصورت ملک محسوس ہونے لگا۔

دوستی کا پہلا پودا جو تیزی سے پروان چڑھا، وہ ایک پاکستانی خاتون تھی جس کا نام نور بانو تھا۔ وہ بیوٹی پارلر چلایا کرتی تھی اور میں اکثر وہاں جایا کرتی تھی۔ بہت جلد اس سے دوستی ہوگئی۔ فیشل کے دوران ہم دونوں کے درمیان بہت ساری باتیں ہوتیں۔ نور بانو اپنے شوہر سے شدید محبت کرتی تھی، اور ہر بات میں شوہر کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ بہرام خان بے انتہا سنجیدہ اور کم گو انسان ہیں، جبکہ نور بانو تتلی کی طرح شُوخ اور چنچل طبیعت کی مالک تھی۔ اُس کی باتیں خاصی فلسفیانہ ہوتیں۔

ایک دن اچانک اُس کے شوہر کو کسی معاملے میں پولیس نے گرفتار کر لیا اور جیل ہوگئی۔ قانونی کارروائی چل رہی تھی۔ اُن ہی دنوں میرے یہاں ایک نئے مہمان کی آمد تھی، جس کی وجہ سے میں بہت زیادہ مصروف ہوگئی۔ اس دوران لوگوں کی زبانی نور بانو اور اس کے شوہر کے بارے میں بہت سی باتیں سننے کو ملیں۔ میری دوسری ساتھیوں کے ذریعے پتا چلا کہ وہ بہت زیادہ پریشان ہے۔

ظاہری بات ہے، خاوند کے بغیر دو بچوں کے ساتھ پردیس میں تنہا حالات سے مقابلہ کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا، اور لوگوں کی باتیں، طنز وتشنیع بھی اس پر بوجھ ڈال رہے تھے۔

لوگوں کا منہ بند کرنا زندگی کا سب سے بڑا محاذ کہلاتا ہے۔

> دوستی کا پہلا پودا جو تیزی سے پروان چڑھا، وہ ایک پاکستانی خاتون تھی جس کا نام نور بانو تھا۔ وہ بیوٹی پارلر چلایا کرتی تھی اور میں اکثر وہاں جایا کرتی تھی۔ بہت جلد اس سے دوستی ہوگئی۔ فیشل کے دوران ہم دونوں کے درمیان بہت ساری باتیں ہوتیں۔ نور بانو اپنے شوہر سے شدید محبت کرتی تھی، اور ہر بات میں شوہر کا ذکر ہوتا تھا۔ اس کی باتوں سے پتا چلتا تھا کہ بہرام خان بے انتہا سنجیدہ اور کم گو انسان ہیں۔

تقریباً تین ماہ کا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن اچانک لوگوں نے تازہ خبر پھیلائی کہ نور بانو کے یہاں تیسرے بچے کی آمد ہے۔ میں حیران رہ گئی۔ جتنی خواتین اس کے بیوٹی پارلر میں میک اپ اور فیشل کروانے جاتی تھیں، سب کی زبانیں کسی منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑنے لگیں۔ نور بانو کے تئیں لوگوں کی الزام تراشیاں، جنہیں میرا دل قطعاً قبول نہیں کر رہا تھا۔ نور بانو کی اپنے شوہر کے تئیں بے پناہ محبت اور وفاداری کا جذبہ میرے دل ودماغ کو جھنجھوڑ رہا تھا کہ نور بانو بدکردار نہیں ہوسکتی۔ اُس کی میٹھی وفا سے گوندھی گئی باتیں سماعتوں میں ابھی بھی شہد کی طرح رس گھول رہی تھیں۔

"شوہر کو ہمیشہ بے پناہ محبت، مان وعزت دینا ایک عورت کا ایمان ہے۔ یہ اس لیے نہیں کہ وہ شوہر ہے، بلکہ اس لیے کہ وہ ہمارا دوست، غم گُسار ساتھی بھی ہے۔ اگر ہم اسے اپنی وفاؤں سے باندھ رکھیں تو وہ بدلے میں ہمیں تاعمر اپنی چاہت اور محبتوں کا محور بنا کر ہمارے گرد گھومنے پر مجبور ہوگا۔"

"نور بانو، تم نے بہرام خان کو یہ کس قسم کی عزت دی ہے؟"

شک اور وسوسوں نے مجھے بھی اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ میں بھی لوگوں میں شامل ہوکر اُس کے کردار پر انگلی اٹھانے پر مجبور ہواُٹھی۔

میں نے ارادہ کیا کہ نور بانو کے پاس جا کر اُسی کی زبانی حقیقت جان لوں۔ شوہر ڈیوٹی پر جا رہے تھے، میں نے انہیں نور بانو کے گھر ڈراپ کرنے کی درخواست کی۔ اُنھوں نے نور بانو کا نام سنتے ہی مجھے تیز نگاہوں سے دیکھا۔

"اس طرح تو نہ دیکھیں...!"

"اس عورت سے دوستی ٹھیک نہیں، تم وہاں جاؤ گی تو لوگ کیا کہیں گے؟ سوچا ہے؟"

بکواس کرتی لوگوں کی بھیڑ میں ایک اور شخص داخل ہوتا نظر آیا تو مجھے بڑی کوفت ہوئی۔

"اُفف یہ دنیا، لوگوں کا کیا کہنا ہے؟ جبکہ لوگوں نے اُس بے چاری کا جینا حرام کر رکھا ہے۔"

"ایک مسلمان کی حیثیت سے، مصیبت زدہ کا حال جاننا فرض ہے۔ آپ نہ کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔"

میری آنکھوں کے نم گوشوں نے اُنہیں بے چین کر دیا تھا، اور میں شوہر کی اس کمزوری سے واقف تھی۔

صبح سات بج رہے تھے اور سورج کی تپش میں کافی اضافہ ہو چکا تھا۔ اس خطرناک تپش سے نجات حاصل کرنے کی خواہش میں، میں نے گاڑی کا اے سی فل کر دیا۔ پورے راستے شوہر نے کوئی بات نہیں کی۔ مجھے کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا کیونکہ اگر خاموشی

کی چادر تھوڑی بھی سرک جاتی تو بحث کی گنجائش پیدا ہو جاتی، جو میں نہیں چاہتی تھی۔ جیسے ہی نور بانو کا گھر آیا، میں نے شوہر کا شکریہ ادا کیا اور جلدی سے نور بانو کے دروازے پر دستک دی۔ اُن دنوں فون بھی نہیں تھا۔

نور بانو کے گھر میں قدم رکھا تو مجھے یہاں خشک خزاں رسیدہ موسم کا احساس ہوا۔ چاروں طرف عجب ہولناک خموشی چھائی ہوئی تھی، کسی گورستان کے سناٹوں کا گمان ہو رہا تھا۔ بے پناہ اداسیاں لیے اُس کا پژمردہ چہرہ، آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے، نور بانو مجھ سے لپٹ کر بُری طرح رو پڑی۔ اُس نے اپنے شوہر کی بے گناہی کے بارے میں خوش خبری سنائی کہ ''وہ کچھ دنوں میں رہا ہونے والے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس کا چہرہ گلاب کی طرح کھل گیا تھا۔

''ہم اپنے ملک واپس جا رہے ہیں۔'' اس کی آواز میں اداسی کے سائے مچل گئے اور وہ بہت دکھی بھی تھی۔ اتنے عرصے تک اس سرزمین میں رہتے ہوئے ایک انسیت سی پیدا ہو ہی جاتی ہے، بے چاری کا دکھی ہونا واجبی تھا۔

''اچھا فیصلہ ہے!'' میں نے خوشی کا اظہار کیا۔ میری نظریں اُس کے چہرے کی جانب دیکھنے سے قاصر تھیں اور میں اس ضد پر اندر ہی اندر نادم بھی تھی۔

''لوگوں کی طرح کیا آپ بھی مجھ پر اور میرے کردار پر شک کر رہی ہیں؟''

اچانک اُس نے استفسار کیا تو میں نے جواب میں خاموش نگاہوں سے اس کی رنجور آنکھوں میں جھانکا اور اپنی نظریں جھکا لیں۔

''یا اللہ رحم!'' اس نے دبے انداز میں ایک سسکاری بھری۔ اس کی خوبصورت آنکھیں لمحہ بھر کے لیے بے نور ہو گئیں۔

''میں لوگوں کی پرواہ نہیں کرتی کہ لوگ میرے بارے میں کیا کہتے ہیں اور کیا افواہیں پھیلا رہے ہیں۔ افسوس اس بات کا ہے کہ جسے اتنا مخلص سمجھا، وہ بھی شک کے دائرے سے مجھے جھانک رہا ہے۔'' اس کی آواز میں بے پناہ کرب پوشیدہ تھا۔ شاید اس کے ضبط کا بندھن ٹوٹ چکا تھا، اب وہ بُری طرح سسک رہی تھی۔ میں نے کچھ لمحوں کا توقف کیا اور کہا:

''اس طرح آنسو نہ بہاؤ، مجھے تمھارے شوہر بہرام خان کی بہت فکر ہے۔'' میں نے کافی سنجیدگی سے کہا تو جواب میں وہ دھیرے سے شرماتی ہوئی مسکرائی اور گویا ہوئی، ''میرے مونس! بہرام خان تو بہت خوش ہیں۔ اُنھوں نے نئے مہمان کا نام بھی سوچ رکھا ہے۔'' 'ہائیں' میں نے تعجب سے اس کی جانب دیکھا۔

''کیا نام سوچا؟''

''لڑکی ہوئی تو جیل بانو اور لڑکا ہوا تو قیدالدین'' یہ کہتے ہوئے اس نے شوخی سے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔ ''میں کچھ نہیں سمجھی؟'' میں نے آہستگی سے کہا اور بس اس کا چہرہ تکتی رہی۔ پھر میں نے اس کی زبانی جو کچھ بھی سنا، میرے دل میں اس ملک اور حکومت کے تئیں اور زیادہ عزت بڑھ گئی۔ یہاں کی حکومت اور قانون کے صدقے، گناہ گار سے بھی حسن سلوک کیا جاتا ہے۔

میں دم سادھے سن رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ ویک اینڈ پر جیل میں بیوی سے ملاقات کا انتظام بھی ہوتا ہے، جسے conjugal visit کہتے ہیں، مرد کے گناہوں کی سزا ایک عورت کیوں سہے۔ یہ تو رحم دلی کی انتہا تھی۔ تفصیل سے آگاہی وجود میں ایک طمانیت سی سرایت کر گئی تھی اور تمام شکوک وشبہات غلط ثابت ہو گئے۔ میں نے بے اختیار نور بانو کو گلے سے لگا لیا۔

❖❖❖

Naheed Tahir
Riyadh, Saudi Arab
Email.nahidtahir2000@yahoo.com

تبصرہ کے لئے کتاب کے دو نسخے بھیجنا لازمی ہے

خبرنامہ تبصرہ

نام کتاب: سندیلہ کے مشاہیر شعرا
مصنف: ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی (9455551607)
صفحات: 352
ناشر: ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی
قیمت: -/۴۰۰ روپے
مبصر: اشرف فردوسی ندوی

ڈاکٹر سعید احمد سندیلوی کہنہ مشق ادیب و شاعر اور مترجم ہیں، اب تک بیس کتابیں لکھ چکے ہیں جس میں دس مطبوعہ ہیں اور دس زیر طبع ہیں، آپ کی نگارشات کے تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دانشورانہ فکر اور بے پناہ تجزیاتی و تجرباتی صلاحیت کے مالک ہیں، ان کے کثیر المطالعہ اور ژرف بین ہونے میں بھی کوئی شک نہیں۔ انھوں نے زیر تبصرہ کتاب ''سندیلہ کے مشاہیر شعرا'' اپنی خوبیوں اور خصوصیتوں سے مثبت انداز فکر سے مرتب کیا ہے۔ ان کی تحریر میں جمالیاتی تصور بھی ہے، حسی انبساط بھی، پر کشش تجسس اور دلنشیں اظہار خیال بھی۔ اس کتاب میں انہوں نے پیش رو اور ہمعصر علمی ادبی تہذیبی اور شعری اقدار کو بھر پور انداز میں نکھارنے کی کوشش کی ہے، یہ صرف ایک کتاب نہیں ایک تاریخ ہے۔ انہوں نے اپنے مادر وطن سندیلہ کے سپوتوں کی نایاب اور نادر معلومات اور مزرعہ شعر و سخن کے گوہر شب تاب کو کھوج کھوج کر جمع کیا ہے۔ لفظوں اور ترکیبوں کی ندرت، اشاریت اور ایمائیت سے چھٹکنے والا تناظر دل کو موہ لیتا ہے، موصوف ایک بیدار مغز شاعر بھی ہیں۔ انھوں نے اپنے اظہار و اسلوب کا رشتہ نہایت سادگی سے پائیدار روایت سے جوڑے رکھا ہے۔ جہاں تک اس کتاب کے موضوع و مواد کا تعلق ہے انھوں نے بڑی ہوشمندی کا ثبوت دیا ہے اور تاریخی تحقیق کے ساتھ ساتھ اپنے اطراف کے واقعات و سانحات کو تحقیقی سطح پر سمیٹا ہے اور انہیں اپنے منفرد طرز پر ترتیب دیا ہے۔ ذاتی جذبات و واقعات ہوں یا سماجی شعور یا احباب و اصحاب کے نقوش انہیں لفظوں کے دائرے میں گھیر کر ایک پختہ اور خوشگوار اسلوب میں سمو دینا ان کی تحقیق اور تخلیق کاری کا نقطہ عروج ہے۔ پیش نظر کتاب پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے۔ آپ لکھنؤ یونیورسٹی کے خوشہ چیں رہے ہیں، اس تحقیقی مقالہ سے متعلق اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

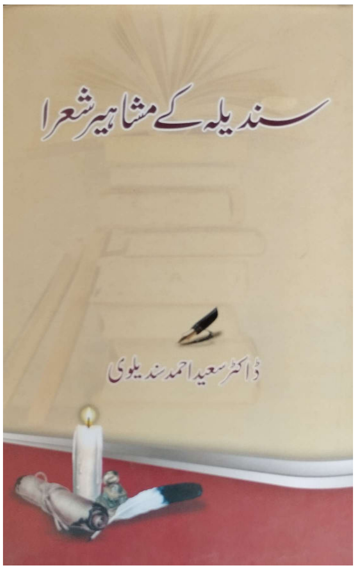

''سندیلہ اودھ کا ایک قدیم اور تاریخی قصبہ ہے، قدیم زمانے سے یہاں کے لوگ شعر و ادب سے وابستہ رہے ہیں، یہ قصبہ میرا وطن ہے۔ ۱۹۹۴ء میں، میں نے جب ایم اے اردو کیا تو پی ایچ ڈی کرنے کی تمنا پیدا ہوئی، لہٰذا میں نے ''سندیلہ کے مشاہیر شعرا'' کے عنوان سے کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، نگراں محترم انیس اشفاق عابدی صاحب نے بھی اپنی رضامندی دے دی اور لحظہ لحظہ اصلاح سے سرفراز فرمایا اور مجھے مقالہ لکھنے میں رہنمائی کی''۔

یہ کتاب سندیلہ کے مشاہیر شعرا کی زندگی کے تمام نشیب و فراز، نقش و نگار اور رنگ و بو سے مملو ہے، اس میں ان کے ذاتی و کائناتی تجربے و مشاہدے شامل ہیں، علوم کا عکس ہے اور فنون کا رس

ہے۔ یہ مقالہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا پروفیسر انیس اشفاق عابدی کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے اور اس کا انتساب بھی انہیں کے نام ہے۔ کتاب کی طباعت و اشاعت میں فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی حکومت اتر پردیش کا جزوی تعاون شامل ہے۔ کور پیج دیدہ زیب اور کتاب کی بائنڈنگ پکی ہے۔ کتاب کے ابتدائی صفحات میں مصنف کا سوانحی خاکہ اور ان کی نگارشات کی فہرست بھی منسلک ہے۔ دو کتابوں ہم وطن (ناول) اور اللہ میاں کا کارخانہ (ناول) کے اردو سے ہندی میں مترجم ہیں۔

کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں سندیلہ کی تاریخ اور جغرافیہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ دوسرا باب سندیلہ کی شعری و ادبی تاریخ سے مربوط ہے۔ تیسرا باب سندیلہ کا ابتدائی یا قدیم شعرا کا دور کے عنوان سے موسوم ہے۔ چوتھا باب سندیلہ کے متوسطین شعراء کا دور کے نام سے قائم کیا گیا ہے، پانچواں باب موجودہ دور کے شعرا پر مشتمل ہے اور ہر دور کو ذیلی عنوان کے تحت منقسم کر کے موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب میں کل ۳۳ شعرا کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ۳۲ کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بیک کور پر مصنف کی وجیہہ فوٹو ہے جو شخصیت کی شناخت میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کی خوبی یہ ہے کہ جتنے شعرا کا تذکرہ کیا گیا ہے ان کے نمونہ کلام کے ساتھ ان کی حیات آ گییں شخصیت کو جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے تا کہ نسل نو اپنے پیش رو شعراء سے خاطر خواہ واقف اور آگاہ ہو جائے۔ سید فضیل رسول واسطی کو اس کتاب میں اولیت دی گئی ہے۔ ان کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

دیں گے کیا داد سخن اے واسطی نافہم لوگ
شوق سے اشعار تیرے قدرداں لے جائیں گے
استعارے سے نہ کوئی شعر خالی چاہئے
شاعروں کے واسطے نازک خیالی چاہئے

متوسطین شعراء کے ذیل میں بارہ اشخاص پر روشنی ڈالی گئی ہے، جن میں سرفہرست سید التفات رسول ہاشمی سندیلوی ہیں۔ التفات صاحب علی گڑھ یونیورسیٹی کے فارغ التحصیل تھے اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔ شاعری میں ہاشمی تخلص لکھا کرتے تھے۔ آپ کی غزل کے دو اشعار ملاحظہ فرمائیں:

ہاں مرے پردہ نشیں اتنی لگاوٹ ہے ضرور
اک جھلک جو دیکھ لے برسوں وہ دیوانہ رہے
ہاں یہی ہے پاکبازی کا طریقہ ہاشمی
وصل کا طالب نہ ہو الفت میں دیوانہ رہے

متاخرین شعراء کو دو حصوں میں منقسم کر کے صاحب کتاب نے اپنی بات رکھی، جس میں پہلے مرحوم شعراء کا تذکرہ کیا ہے پھر حیات شعراء پر سرسری روشنی ڈالی ہے۔ متاخرین میں محمد مختار احمد نظر سندیلوی ہیں۔ موجودہ حیات شعراء میں چودھری ضیاء الدین ضیاء فاروقی سندیلوی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کا یہ شعر دیکھئے:

یہ بزم شعر و ادب ہے کہ کوفہ بدنام
یہاں تو جو بھی ملا ہے منافقانہ ملا

اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سندیلہ عہد ماضی میں علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے اور تادم حال یہاں کی مٹی بڑی زرخیز ہے جس کا ایک ثبوت یہ کتاب بھی ہے۔ امید ہے حلقہ علم و ادب میں اس کتاب کی پذیرائی ہوگی اور صاحب کتاب کی بھی حوصلہ افزائی کی جائے گی۔

❖❖❖

Ashraf Firdausi Nadwi
Amrican Institute of Indian Studies
46/3, Wazeer Hasan Road.
Block-1, Gokhle Vihar, Butler Colony,
Lucknow-226001،Mob.7236010917

علمی و ادبی خبریں

سینئر صحافی قطب اللہ نے داعی اجل کو لبیک کہا

لکھنؤ۔ سینئر صحافی، کالم نگار، افسانہ نگار اور کئی کتابوں کے مصنف و مؤلف قطب اللہ نے ۲ دسمبر ۲۰۲۵ء کو تقریباً ۷۵ برس کی عمر میں صبح سوا نو بجے داعی اجل کو لبیک کہا۔ انتقال کی خبر عام ہوتے ہی بڑی تعداد میں صحافی، ادباء، علماء سمیت دیگر متعلقین ایرا ہاسپٹل پہنچے۔ جہاں سے اہل خانہ ان کا جنازہ آبائی وطن لے گئے۔ وہاں بعد نماز عشاء نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد بڑی تعداد میں سوگواروں کی موجودگی میں آبائی قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم قطب اللہ ادب وصحافت کے میدان کے پختہ کار قلمکار تھے۔ ان کو صحافت کا طویل تجربہ تھا۔ ان کی پیدائش اتر پردیش کے ضلع سدھارتھ نگر کے موضع دودھونیا میں ہوئی تھی۔ والد مولانا محبت اللہ بھی بہترین عالم دین تھے، ان کی ایک تحقیقی کتاب 'ذوالقرنین کی تلاش' کو علمی حلقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ ان کی ابتدائی تعلیم آبائی وطن کی اسلامی درسگاہ میں ہوئی۔ ۱۹۷۰ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے بعد عصری تعلیم کیلئے لکھنؤ یونیورسٹی کا رخ کیا۔ ۱۹۷۴ء میں بی اے، ۱۹۷۶ء میں اردو میں ایم اے، ۱۹۷۸ء میں ایل ایل بی اور ۱۹۸۰ء میں عربی مضمون میں ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔

بی اے کرنے کے بعد ہی وہ روزنامہ قومی آواز لکھنؤ سے وابستہ ہوگئے تھے۔ ۱۹۹۹ء میں جب روزنامہ راشٹریہ سہارا کا آغاز ہوا تو وہ چیف سب ایڈیٹر مقرر ہوئے اور ۲۰۱۲ء میں روزنامہ راشٹریہ سہارا کے ادارتی فرائض سے سبکدوش ہوئے۔ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد روزنامہ عوامی سالار لکھنؤ اور اس کے بعد روزنامہ اخبار مشرق لکھنؤ ایڈیشن کے ایڈیٹوریل انچارج رہے۔ ان کا ادبی ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ انھوں نے افسانے وڈرامے بھی لکھے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ اتر پردیش اردو اکادمی نے انھیں صحافتی ایوارڈ سے نوازا تھا۔

چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ میں دوروزہ سیمینار

میرٹھ۔ چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ کے شعبہ اردو میں دوروزہ سیمینار بعنوان ''تحریک آزادی اور شاعری'' ہوا جس میں بطور مہمان خصوصی خطاب کرتے ہوئے پروفیسر تنویز چشتی نے کہا کہ دنیا کی پرانی زبان سنسکرت اور نئی زبان اردو دونوں ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ ہندو-مسلم میں تفرقہ انگریزوں نے ڈالا۔ وہ زبان جو فارسی رسم الخط میں لکھی جائے اردو ہے اور جو دیوناگری میں لکھی جائے وہ ہندی ہے۔ سچا محبّ وطن وہ ہے جو یہاں کی زمین کے ساتھ یہاں کے انسانوں سے بھی محبت کرے۔ سیمینار کی مختلف نشستوں کی صدارت پروفیسر اسلم جمشید پوری، پروفیسر عنوان چشتی، ڈاکٹر شعیب رضا وارثی اور آفاق احمد خاں نے کی۔ عظمیٰ سحر نے 'تحریک آزادی اور بیگم حضرت محل'، ڈاکٹر نوید خان نے 'تحریک آزادی میں سنبھل کا کردار'، ڈاکٹر ارشاد سیانوی نے 'تحریک آزادی اور مولانا محمد علی جوہر'، ڈاکٹر افراہیم افسر نے '۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں میرٹھ کا کردار' اور ڈاکٹر وصی اعظم انصاری نے 'تحریک آزادی اور مولانا ابوالکلام آزاد' عنوانات پر مقالات پیش کئے۔ اس موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ تحریک آزادی میں اردو اور دیگر زبانوں کا کیا کردار رہا ہے، اسے نئی نسل تک پہنچایا جائے۔ یونیورسٹی کا شعبہ اردو اس طرح کے پروگراموں کا انعقاد کرتا رہتا ہے۔ آفاق احمد نے کہا کہ سیمینار میں پیش کئے گئے سبھی مقالے معیاری ہیں۔

قارئین کے خطوط

مدیر محترم!

خبر نامہ کا نومبر کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ ماشاءاللہ بہت شاندار، عمدہ طباعت، بہترین مشمولات۔ میری طرف سے مبارکباد قبول فرمائیں۔ کم صفحات میں بہترین چیزیں آپ قارئین کو دے رہے ہیں۔ شمارہ کا پہلا مضمون 'جنگ میزائل اور محبت' بہترین تجزیاتی مضمون ہے۔ مضمون پڑھ کر پورے ناول کا منظر نامہ سامنے آ گیا۔ جیسا کہ اس تجزیاتی مضمون سے معلوم ہوا کہ اس ناول کا موضوع یوکرین-روس جنگ ہے۔ آنکھوں دیکھی حقیقت کو افسانوی انداز میں پیش کرنا یقیناً بڑا فن ہے۔ مضمون نگار نے ناول کا بہترین تعارف کرایا ہے۔ بزرگ شاعر رشید افروز سے انٹرویو بہت بہت معلوماتی ہے۔ خاص طور سے ان کے ان اشعار نے بہت متاثر کیا کہ:

بہت دیر تک ہم نے آواز دی-مگر سونے والے نے کروٹ نہ لی
لہو آ گیا تھا، مری آنکھ میں -مگر مجھ میں رونے کی ہمت نہ تھی

اس طرح کے کہنہ مشق ادباء و شعراء کا انٹرویو شائع ہوتے رہنا چاہئے۔ انٹرویو سے قارئین کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ عطیہ بی کا افسانہ خواب متاثر کن ہے۔ انھوں نے اس افسانے میں معاشرہ کی جو عکاسی کی ہے وہ آج کی سچائی ہے۔ ایک لڑکی جو غریبی سے لڑ رہی ہوتی ہے، اپنے والدین کو غربت سے باہر نکالنے کے لئے محنت سے تعلیم حاصل کرتی ہے، ترقی کے خواب دیکھتے ہے اور اس خواب کو شرمندۂ تعبیر کرنے کے لئے جد و جہد کرتی لیکن سماج اس کی جد و جہد کو احترام کی نظر سے دیکھنے بجائے اس کو رسوا ہوتے دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ ایک انتہائی حساس موضوع پر جس کے لئے سماج میں بیداری ضروری ہے اور یہ بیداری قلم کی طاقت سے ہی پیدا کی جاسکتی ہے۔

عتیقہ ارم، پٹنہ، بہار

مدیر محترم!

نومبر کا خبر نامہ کا شمارہ کافی تاخیر سے موصول ہوا۔ خبر نامہ میں قارئین کے خطوط کی اشاعت کا سلسلہ شروع کرنے کے لئے بہت شکریہ۔ یہ ایک اچھا سلسلہ ہے۔ اس سے قارئین کی رسالہ سے وابستگی میں یقیناً اضافہ ہوگا۔

ابوطلحہ عارف، ٹھاکر گنج لکھنؤ

مدیر محترم!

نومبر ماہ کا خبر نامہ موصول ہوا۔ آپ کا اور محکمہ ڈاک کا بھی بہت شکریہ۔ پورا شمارہ بہت دلچسپ ہے۔ ڈاکٹر کہکشاں عرفان کا مضمون جنگ، میزائل اور محبت: ایک تجزیاتی مطالعہ، محمودہ قریشی کا مضمون علامہ اقبال کا پیغام خواتین کے نام، ڈاکٹر غضنفر اقبال کا رشید افروز سے انٹرویو، ڈاکٹر سفیان انصاری کا مضمون ڈاکٹر عبیداللہ چودھری کی ادبی خدمات، ان سبھی مضامین نے متاثر کیا۔ اس کے علاقہ لطافت حسین لطافت، علی شاہد دلکش، شریف قریشی، پروفیسر بابر شریف، نیاز فتح پوری، سلیم تابش، عرفان لکھنوی کی غزلیں بھی خوب ہیں۔ افسانہ بھی بہت سبق آموز ہے۔ اس کے علاوہ دیگر کالم بھی بہت دلچسپ ہیں۔ دعا ہے کہ رسالہ مزید ترقیات کے منازل طے کرے۔

عبداللہ احقر، کانپور

"قارئین کے خطوط"

اس کالم میں 'خبر نامہ' میں شائع نگارشات پر آپ کی آراء اور تبصروں کو ترجیحی بنیاد پر شائع کیا جائے گا۔ آپ اپنے خطوط وہاٹس ایپ نمبر 9450450484 پر بھی بھیج سکتے ہیں۔

U.P. Urdu Akademi

Khabarnama

उ.प्र. उर्दू अकादमी ख़बरनामा

اُتر پردیش اُردو اکادمی خبر نامہ

Vol. No. 53 January 2025 Issue No. 7

اتر پردیش اردو اکادمی کی اسکیمیں

اردو طلباء کو وظائف ☆ اشاعت کتب ☆ صوبے کے رجسٹرڈ عوامی کتب خانوں ر دارالمطالعوں کو مالی امداد ☆ اردو ادباء کو مجموعی ادبی خدمات اور اردو کتب پر انعامات ☆ مسودات کی طباعت کے لئے مالی امداد ☆ مصنفین کو ماہانہ مالی امداد ☆ اردو کتابت اسکول ☆ اردو کوچنگ سینٹر ☆ اردو کمپیوٹر سینٹر ☆ اردو کی مطبوعات کی فروخت ☆ سہ ماہی ''اکادمی'' اور ماہنامہ ''خبر نامہ'' کی اشاعت ☆ سیمینار سمپوزیم اور مشاعروں کا انعقاد ☆ اقلیتی طلباء کو ''سول سروسیز کی تیاری کے لئے اردو آئی-اے-ایس-اسٹڈی سینٹر'' اور ماس کمیونیکیشن اینڈ میڈیا سینٹر۔

یونیورسٹی سطح کی نصابی کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	قیمت
-1	ادب پارے (نثر)	سید احتشام حسین	45/=	-10	انتخاب منظومات (حصہ دوم)	مجلس مشاورت	55/=
-2	ادب پارے (نظم)	سید احتشام حسین	45/=	-11	'' نثر (حصہ اول)	مجلس مشاورت	62/=
-3	انارکلی	امتیاز علی تاج	43/=	-12	'' نثر (حصہ دوم)	مجلس مشاورت	78/=
-4	انتخاب افسانہ	مجلس مشاورت	134/=	-13	بکٹ کہانی	نورالحسن ہاشمی	45/=
-5	'' خطوط غالب	مجلس مشاورت	28/=	-14	لازمی نصاب	حکم چند نیر	46/=
-6	'' غبار خاطر	ابوالکلام آزاد	70/=	-15	معیاری نثر و نظم	حامد ندیم	73/=
-7	'' قصائد	مجلس مشاورت	64/=	-16	منتخب غزلیں	مجلس مشاورت	135/=
-8	'' مراثی	مجلس مشاورت	120/=	-17	منتخب نظمیں	مجلس مشاورت	60/=
-9	'' منظومات (حصہ اول)	مجلس مشاورت	54/=				

شخصیات سیریز

نمبر شمار	نام کتاب	مرتب	قیمت	نمبر شمار	نام کتاب	مرتب	قیمت
-1	ملک زادہ منظور احمد	انور جلال پوری	438/=	-10	سالک لکھنوی	پروفیسر مظفر حنفی	216/=
-2	ندا فاضلی	پروفیسر علی احمد فاطمی	278/=	-11	متین طارق باغپتی	ڈاکٹر ذکی طارق	216/=
-3	کلیم عاجز	؍؍ مناظر عاشق ہرگانوی	288/=	-12	پروفیسر قمر رئیس	پروفیسر توقیر احمد خاں	245/=
-4	زبیر رضوی	ڈاکٹر مہتاب امروہوی	262/=	-13	ڈاکٹر اسعد بدایونی	حسیب سوز	245/=
-5	نشتر خانقاہی	اسد رضا	260/=	-14	حفیظ میرٹھی	ڈاکٹر تابش مہدی	245/=
-6	ساغر خیامی	ناشر نقوی	215/=	-15	عابد سہیل	ڈاکٹر صبیحہ انور	245/=
-7	مظہر امام	امام اعظم	208/=	-16	جوگیندر پال	ڈاکٹر اسلم جمشید پوری	287/=
-8	سید حامد	ڈاکٹر عبید اقبال عاصم	233/=	-17	معراج فیض آبادی	ڈاکٹر کلیم قیصر	245/=
-9	پیغام آفاقی	خان محمد آصف	224/=				

اکادمی کی مطبوعات کی خریداری و دیگر تفصیلات کے لئے رابطہ کریں

سکریٹری، اتر پردیش اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ-226010

سیلس ڈپو-موبائل نمبر 7081007078

Website:www.upurduakdemi.org E-mail:upurduakademi3@gmail.com